بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۵۱
اردو کا کلاسیکی ادب
گلِ مغفرت
از
حیدر بخش حیدری
ناشر
مجلسِ ترقیِ ادب
۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۵۱
اُردو کا کلاسیکی ادب
گلِ مغفرت
از
حیدر بخش حیدری
ناشر
مجلسِ ترقیِ ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

طبع اول : جنوری ۱۹۶۵ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : شفیق پریس ، لاہور

مہتمم : ایس - ایم - شفیق

قیمت :

فہرست

مقدمہ از مرتب ۱ تا ۳۷
فاتحہ ۱
نعت و مدح ۵
پہلی مجلس
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی
وفات کی - ۷
دوسری مجلس
جناب سیدۃالنسا فاطمہ زہرا بنت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کی - ۲۴
تیسری مجلس
حضرت مرتضیٰ علی ابن ابی طالب علیہ السلام
کے شہید ہونے کی - ۴۰
چوتھی مجلس
حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے
اور اس دنیائے دوں سے سفر کرنے کی - ۵۶
پانچویں مجلس
حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے شہید
ہونے کی - ۷۴
چھٹی مجلس
حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے
صاحب زادوں کے شہید ہونے کی - ۸۹
ساتویں مجلس
حضرت حر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی - ۱۰۳

آٹھویں مجلس
حضرت قاسم ابن امام حسن علیہ السلام کے شہید ہونے کی۔ ۱۱۳
نویں مجلس
حضرت عباس علی ابن جناب مرتضیٰ علی قوت بازو حضرت امام حسین علیہ السلام شہید دشت کربلا کے شہید ہونے کی۔ ۱۳۴
دسویں مجلس
حضرت علی اکبر علیہ السلام کے شہید ہونے کی۔ ۱۵۲
گیارھویں مجلس
حضرت علی اصغر کے جناب امام حسین علیہ السلام کی گود میں جانے اور میدان قتال میں جام شہادت سے سیراب ہونے کی۔ ۱۷۰
بارھویں مجلس
حضرت امام حسین علیہ السلام کے میدان جاں ستاں میں جانے اور جام شہادت سے سیراب ہونے کی۔ ۱۷۸
یہ مجلس حضرت امام حسین علیہ السلام کے پھولوں کی ہے۔ ۱۹۳
یہ مجلس حضرت امام حسین علیہ السلام کے دسویں کی ہے۔ ۱۹۹
یہ مجلس حضرت امام حسین و جمیع شہیدائے کربلا کے بے کسوں کی ہے۔ ۲۰۷
یہ مجلس حضرت امام حسین علیہ السلام و جمیع شہدائے کربلائے معلیٰ کے چہلم کی ہے۔ ۲۱۳

مقدمہ

از

ڈاکٹر ناظر حسن زیدی

مقدمہ

(از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی)

کہا جاتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں جو کتابیں تالیف ہوئیں ان کا اولین مقصد یہ تھا کہ 'صاحبان عالی شان' ان کا مطالعہ کرکے اس ملک کی زبان سے واقف ہو جائیں۔ یہ قول بجائے خود درست ہے لیکن اس ضمن میں ایک اور مقصد جو زبان دانی سے کہیں زیادہ اہم ہے اور جس کی طرف بعض اشخاص نے بہ تفصیل اشارے کیے ہیں یہ تھا کہ نووارد انگریز اہل مشرق کے مزاج و عادات، آداب و رسوم اور عقائد و خیالات سے بھی آگاہ ہو جائیں، تاکہ انتظامی امور کے انصرام میں وہ ان تمام چیزوں کو ملحوظ رکھ سکیں[1]۔ یہ وہ دور ہے جب کئی صدیوں کی حکم رانی نے اہل برطانیہ کو جہاں بانی و فرماں روائی کے تقاضوں سے باخبر کر دیا تھا[2] اور وہ رومۃالکبریٰ جیسی عظیم

---

(۱) سید عابد علی عابد نے 'آرائش محفل' شیر علی افسوس کے مقدمے میں اور عتیق صدیقی نے 'گلکرائسٹ اور اس کا عہد' میں اس سیاسی نکتے کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ مؤلف ارباب نثر اردو نے بھی فورٹ ولیم کالج کے متعلق انھی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

(۲) اگرچہ برطانیہ میں باقاعدہ حکومت کا آغاز ولیم اول (۱۰۶۶ء تا ۱۰۸۷ء) سے ہوا تاہم کشور کشائی اور شکوہ سلطنت کا آغاز سولھویں صدی سے ہوتا ہے جب عنان حکومت ہنری ہشتم (۱۵۰۹–۴۷ء) کے ہاتھ میں آئی۔ تاریخ انگلستان مصنفہ لارڈ میکالے نیز انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ہشتم، صفحہ ۳۸۳، ذکر انگلینڈ (طبع ۱۹۶۱ء)۔

سلطنتوں کی تاریخ کے آئینے میں اس حقیقت کو دیکھنے لگے تھے کہ حاکم و محکوم کے درمیان ایک تہذیبی رشتے کا قیام ناگزیر ہے ۔ یعنی محکوم قوم کا انداز فکر ، طبعی خصائص اور رسوم و رواج سے واقف ہوئے بغیر اُس کا نقطۂ نظر سمجھنا حکام کے لیے بہت مشکل ہے ۔ اس مقصد کے لیے جو کتابیں لکھوائی گئیں اُن میں افسانوی ادب کا عنصر غالب ہے کہ زبان و بیان کا یہ دل چسپ شعبہ زندگی کے اکثر پہلوؤں کا مرقع پیش کرتا ہے ۔ مرزا غالب نے جو 'داستان طرازی کو منجملہ فنون سخن' قرار دیا ہے[1] اُس میں یہی نکتہ اُن کے پیش نظر تھا ۔ گل کرائسٹ نے غالباً اسی غرض سے اپنی توجہ بیشتر افسانوی ادب پر مبذول کی تھی ۔ باغ و بہار ، آرائش محفل (ہفت سیر حاتم طائی) ، توتا کہانی ، ہفت پیکر ، گل بکاؤلی ، سکنتلا ، لیلیٰ مجنوں وغیرہ کی تہ میں یہی جذبہ کارفرما تھا ۔

تاہم کالج نے تصنیف و تالیف کو داستان طرازی تک محدود نہیں کر دیا تھا ؛ گل کرائسٹ اپنی طبیعت کے اعتبار سے خاصا مشرق تھا ۔ اُس کی نظر افسانوی ادب کے علاوہ تاریخ ، سیرت ، اخلاق ، حکمت ، سیاست اور جدید علوم پر بھی مرکوز تھی ۔ چناں چہ حفیظ الدین احمد کی خرد افروز ، میر امن کی گنج خوبی ، اکرام علی کی اخوان الصفا ، مظہر علی خان وِلا کا ترجمۂ کریما ، بہادر علی حسینی کی اخلاق ہندی، شیر علی افسوس کی باغ اُردو (ترجمہ گلستاں)، خلیل اللہ خاں اشک کی واقعات اکبر ، کاظم علی جوان کی

(۱) تقریظ حدایق انظار (بوستان خیال) مترجمۂ خواجہ امان ۔ اُردوئے معلیٰ صفحۂ ۳۴۷ ، مبارک علی ایڈیشن ۱۹۳۵ء ۔

تاریخ فرشتہ (ترجمہ) وغیرہ انھی موضوعات پر لکھی گئی تھیں۔ آردو ادب کا دامن ان جواہر پاروں سے جگمگا رہا ہے۔ اور یہ خیال کر کے بڑی مسرت ہوتی ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے دانشوروں نے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے سادہ نگاری کو رواج دے کر آردو ادب کی بہت بڑی خدمت انجام دی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہماری صحافت ، وقائع نگاری ، دھلی کالج کا قیام اور علوم جدیدہ کا رواج نصف صدی پیچھے رہ جاتے۔ سرسید احمد خاں کی مقالہ نگاری جس میں سادگی اپنا جادو جگا رہی ہے ، بے شبہ بہت اہم ہے ، لیکن راقم کو یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ آن کی نثر فورٹ ولیم کالج کے سادہ اسلوب کا نقش ثانی تھی اور اپنی قوت ، قطعیت اور استدلال کے باوجود آس نقش اول کی پرکاری و دل آویزی تک نہ پہنچ سکی۔

اس سلسلے میں کالج کے کارپرداز ہماری مذہبی کتابوں کے ذخیرے سے بے نیاز نہیں رہے ، بلکہ انھوں نے آس سے خاصا اعتناء کیا۔ آنھیں اندازہ تھا کہ مشرق میں مذہب کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ ہماری سیاسیات میں ہمیشہ سے دخیل رہا ہے۔ اس بناء پر وہ کتابیں وجود میں آئیں جن میں مذہبی اعمال و فرائض کی تفصیل تو کم ہے لیکن ہمارے اعتقادات و روایات کا عنصر زیادہ ہے۔ اگرچہ یہ پہلو افسانوی ادب میں بھی جا بجا ظاہر ہوا ہے لیکن ایسی کتابوں کی ضرورت بہر حال باقی تھی جن میں مذہبی رنگ غالب ہو۔ چناں چہ مولوی امانت اللہ کا ترجمۂ قرآن (چند پارے)، مراثی مسکین ، بینی نرائن جہاں کا ترجمۂ تنبیہ الغافلین ، مرزا محمد فطرت کا ترجمۂ عہد نامۂ جدید

وغیرہ اسی احساس کے تحت وجود میں آئے ۔ گل مغفرت اسی سلسلے کی کڑی ہے ۔ اگرچہ یہ کتاب فورٹ ولیم کالج میں نہیں لکھی گئی بلکہ تصنیف و تالیف کے اس زرین دور کے آخر میں اور اس دائرے سے بالکل باہر وجود میں آئی ، بہ ایں ہمہ یہ اس شخص کی تالیف ہے جو کالج کا کثیرالتصانیف اہل قلم ہے اور جس کی تالیفات مابعد میں بھی کالج کے اسلوب کی جھلکیاں واضح طور پر نظر آتی ہیں ۔ اسلوب کی ان خصوصیات کا تجزیہ عنقریب کیا جائے گا ، سر دست مؤلف کا سرسری تعارف مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

مصنف کے حالات

حیدری کے حالات بہت کم معلوم ہیں ۔ گارساں دتاسی نے اپنے تذکرے (طبع دوم پیرس ۱۸۷۰ء ، صفحہ ۲۰۶ تا ۲۰۹ و ۵۴۹) میں اُن کی تصانیف اور کوائف قلم بند کیے ہیں ۔ کریم الدین نے اپنے ترجمے میں اُن پر کوئی اضافہ نہیں کیا ۔ عبدالغفور خاں نساخ بھی سخن شعراء میں (طبع نولکشور صفحہ ۱۴۳) سرسری گزر جاتے ہیں اور :

برابری کا تری گل نے جب خیال کیا

والا مطلع لکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں ۔ سری رام نے خمخانۂ جاوید میں انھیں جگہ ھی نہیں دی ۔ اُن کی رائے میں (راقم کے نزدیک بھی) وہ شاعر تھے ھی نہیں ۔ تمام موجودہ ذرائع سے اتنا پتا چلتا ہے کہ حیدر بخش حیدری کے آبا و اجداد نجف اشرف کے رہنے والے تھے ۔ اُن کے باپ میر ابوالحسن دھلی کے باشندے تھے اور یہیں حیدری کی تعلیم و تربیت ہوئی ۔ ایک مدت بعد بہ سلسلۂ معاش

ابوالحسن دھلی پہنچے جہاں اُن کے مربی نواب علی ابراھیم خاں خلیل (مؤلف گلزار ابراھیم) وارن ھیسٹنگز کی طرف سے منصفی کے منصب پر سرفراز تھے ۔ بلوم ھارٹ کا بیان ھے کہ اُس وقت حیدری نوجوان[1] تھے ۔ ابوالحسن کی التجا پر علی ابراھیم خاں نے اُن کی تربیت کا ذمہ لیا ۔ دوسرے اساتذہ جن سے حیدری نے فیض پایا ، قاضی عبدالرشید اور غلام حسین غازی پوری ھیں ۔

حیدری کی عمر کا بیشتر حصہ بنارس میں گزرا ۔ جب لارڈ ویلزلی کے ایماء سے قلعۂ کلکتہ میں کالج قائم ھوا (۴ مئی ۱۸۰۰ء) اور اُس میں اُردو کے اھل قلم سادہ زبان میں کتابیں لکھنے کے لیے طلب کیے گئے تو حیدری کلکتہ پہنچے اور اپنی کتاب قصۂ مہر و ماہ کو بطور نمونہ پیش

۱۔ بلوم ھارٹ فہرست مخطوطات اردو صفحہ ۴۷ ۔ نیز گارساں دتاسی کی تاریخ ادب ھندوی و ھندوستانی صفحہ ۵۴۹ ، ۵۵۰ ۔ وارن ھیسٹنگز نے بنارس کے راجا چیت سنگھ کو ۱۷۸۰ء میں معزول کیا اور اسی وقت سے اس شہر پر انگریزی عمل داری کی پرچھائیں پڑنے لگی ۔ معزول راجا کا بھتیجا برائے نام مسند نشین رھا لیکن ملکی و مالی امور کمپنی کے تصرف میں آگئے ۔ غالباً اسی واقعے کے بعد نواب علی ابراھیم خاں خلیل کا تقرر بحیثیت سول جج ھوا ۔ اگر تصرف بنارس کے واقعے کے وقت حیدری کی عمر پندرہ سال فرض کی جائے تو اُن کی تاریخ ولادت ۱۷۶۵ء کے لگ بھگ قرار پائے گی ۔ اُن کی تاریخ وفات بھی غیر معین ھے ۔گارساں دتاسی نے مولوی غلام حیدر کے حوالے سے ۱۸۲۳ء کو سال وفات قرار دیا ھے ۔ (تاریخ ادب صفحہ ۵۴۹)۔ سید محمد مؤلف ارباب نثر اردو بھی ریاض الوفاق تصنیف ذوالفقار علی مست کے حوالے سے رقم‌طراز ھیں کہ انھوں نے بنارس میں ۱۸۲۳ء کے قریب انتقال کیا ۔

کیا[1] ۔ قیاس کہتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں اُن کی اچھی قدر دانی ہوئی ہوگی ۔ یہاں وہ ۱۸۱۱ء تک ملازم رہے، پھر بنارس چلے گئے ۔ وہ اس ادارے کے سرگرم کارکن تھے اور اُن کی تصانیف کی تعداد دوسرے ادیبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے ۔ ترتیب زمانی کے اعتبار سے ان کی کتابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱- قصہ مہر و ماہ ۱۲۱۴ھ ۔ اوائل ۱۸۰۰ء (مفقود)
۲- قصۂ لیلٰی مجنوں ۱۲۱۴ھ ۔ اوائل ۱۸۰۰ء (مفقود)
۳- گلشن ہند (تذکرۃ الشعراء[2]) ۱۲۱۴ھ - ۱۸۰۰ء
۴- توتا کہانی ۱۲۱۵ھ - ۱۸۰۱-۲ء
۵- آرائش محفل (ہفت سیر حاتم) ۱۲۱۶ھ - ۱۸۰۱-۲ء
۶- ہفت پیکر ۱۲۲۰ھ - ۱۸۰۵ء (نایاب)
۷- تاریخ نادری (غیر مطبوعہ) ۱۲۲۴ھ - ۱۸۰۹ء

حیدری کی مزید تالیفات میں گلزار دانش (ترجمۂ بہار دانش) گلشن شہیداں (ترجمۂ روضۃ الشہداء) اور گلدستۂ حیدری بھی شامل ہیں ۔ مؤخرالذکر اُن کے متفرق مضامین، دیباچوں، نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے ۔ شاید اسی

۱- عتیق صدیقی اپنی تالیف گلکرائسٹ اور اُس کا عہد صفحہ ۱۴۲-۴۳، فورٹ ولیم کالج کونسل کی رودادوں سے حوالہ دیتے ہیں کہ حیدری کے تقرر کی منظوری ۲۹ اپریل ۱۸۰۱ء کی مجلس میں ہوئی تھی ۔ اس حساب سے حیدری ۱۸۰۰ء کے آخر میں کالج سے وابستہ ہوئے ہوں گے ۔

۲- مرزا علی لطف کا تذکرہ جو اسی سال لکھا گیا اسی نام کا ہے لیکن تفصیلی ہے اور اُس کی زبان مرصع ہے ۔ حیدری کا تذکرہ مختصر ہے ۔ برٹش میوزیم میں اس کا ناتمام نسخہ موجود ہے ۔

مناسبت سے اس کا یہ نام رکھا گیا ۔ نام کی یہی مناسبت 'گل مغفرت' میں نمایاں ہے جو گلشن شہیداں کا خلاصہ ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے ۔ یہاں اس کتاب کی وجہ تالیف موضوع ، اسلوب کی خصوصیات وغیرہ کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ ان فکری سررشتوں کا بیان بھی ضروری ہے جو اس کے موضوع یعنی وفات پنج تن پاک کے مختلف سلسلوں کو باہم ملاتے ہیں ۔

گل مغفرت

جیسا کہ نام سے مترشح ہوتا ہے ، مؤلف نے یہ کتاب اعتقادی جذبے کے تحت لکھی ہے اور اکثر مصنفوں کی طرح اسے اپنی اور عام پڑھنے والوں کی نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے ۔ وہ ایک خوش اعتقاد ، محب اہل بیت بزرگ تھے ۔ انھیں خاندان رسول سے جو لگاؤ تھا اس کا اظہار کتاب کے پہلے ہی صفحہ پر ہوا ہے جہاں وہ پنج تن پاک کی ارواح طاہرہ کو درود و فاتحہ کا تحفہ پیش کرنے کے بعد امام زین العابدین سے امام مہدی علیہ السلام تک سب پر نام بہ نام درود بھیجتے ہیں اور ان کے طفیل میں حج بیت اللہ اور زیارت عتبات عالیات کی دعا مانگتے ہیں ۔ اصل کتاب اس کے بعد شروع ہوتی ہے ۔ یہاں وہ حمد پروردگار اور نعت سرور کائنات کے بعد امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی منقبت تحریر کرتے اور وجہ تصنیف لکھتے ہیں کہ میں نے اس سے پہلے حسین واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہدا کا اردو ترجمہ (گلشن شہیداں) کیا تھا ۔ وہ کسی قدر طولانی تھا، اس لیے مولوی حسین علی صاحب جونپوری کی فرمائش سے،

جو میرے دوست صادق اور عنایت فرما ہیں ، گلشن شہیدان کا خلاصہ کر ڈالا تاکہ یہ مختصر کتاب ہر خاص و عام کو بہ سہولت میسر آ سکے ۔ ہمیں ان صاحب کا حال معلوم نہیں لیکن حیدری کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُن کے مہربان دوست تھے اور نجابت و شرافت کے علاوہ سخن فہمی و شعر گوئی کا ذوق بھی رکھتے تھے ۔ بہ ہر تقدیر حیدری نے ۲۰ محرم ۱۲۲۷ھ مطابق ۴ فروری ۱۸۱۲ء اس تلخیص سے فراغت پائی اور اسی سال یہ کتاب کلکتے کے ہندوستانی پریس سے شائع ہوئی[1] ۔

ابھی عرض کر چکا ہوں کہ کتاب مذکور کی ادبی خصوصیات کا جائزہ لینے سے پہلے اس کے فکری سررشتوں کا سراغ لگانا ضروری ہے ۔

۱۔ سرورق کی عبارت یہ ہے کہ کتاب مذکور ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۲ء میں دارالامارۃ کلکتہ کے ہندوستانی چھاپہ خانے میں طبع ہوئی ۔ سن ہجری کا یہ تفاوت غالباً کتابت کی غلطی یا سنین ہجری و عیسوی کے تطابق میں فروگزاشت کا نتیجہ ہے ۔ خود حیدری نے ۱۲۲۷ھ لکھا ہے ۔ سر ورق پر ۱۲۲۶ھ لکھے جانے کی توجیہ کی ایک صورت اور بھی ہے ، یعنی ۱۲۲۶ھ ۲۶ جنوری ۱۸۱۱ء سے ۱۵ جنوری ۱۸۱۲ء تک ممتد ہوتا ہے ۔ ممکن ہے کہ حیدری نے یہ کتاب ۱۲۲۶ھ یعنی آغاز جنوری ۱۸۱۲ء میں تالیف کر لی ہو اور کلکتے میں کارپردازان مطبع نے سرورق کی عبارت میں اسی سن کو درج کیا ہو ۔ بعد ازاں حیدری نے ایک ماہ کے عرصے میں اس کتاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے تمہید میں ۲۰ محرم ۱۲۲۷ھ لکھا ہو کہ ۱۶ جنوری ۱۸۱۲ء سے نیا سال ہجری شروع ہو چکا تھا ۔ بہ ایں ہمہ یہ معاملہ راقم السطور کی نظر میں مشتبہ ہے ۔ سید محمد صاحب اور حامد حسن قادری نے بھی اس اشتباہ کو رفع نہیں کیا ۔

تاریخ و روایات کا سلسلہ

واقعۂ کربلا ۱۰ محرم ۶۱ھ (۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء) کو پیش آیا - یہ ایسا دردناک سانحہ تھا جس نے دوست دشمن سب کو متاثر کیا - خاندان رسول اور ان کے ہواخواہوں کا نینوا کے میدان میں ذبح ہو جانا ایسا واقعہ تھا جس کا تصور آج بھی حساس انسان کو غمگین کر دیتا ہے - اگرچہ حکومت کے پروپیگنڈے نے اہل شام کو اولاد علی کی طرف سے منحرف کر دیا تھا اور وہ ان کو اسلام سے خارج سمجھنے لگے تھے تاہم ان کا اس طرح قتل ہو جانا اور ان کی خواتین کا مقید ہو کر دربار دمشق میں آنا ایسا دل گداز سانحہ ثابت ہوا کہ ذہن انسانی کے تار اس کی تاب نہ لا سکے - بعض حق شناسوں نے بھرے دربار میں حکومت کی چیرہ دستی کے خلاف آواز بلند کی - بعض نے برملا یزید کو اور کربلا و کوفہ کے فوجی سرداروں کو اس حادثے کا ذمہ دار قرار دیا[1] - اس طرح رائے عامہ میں ایسا ہیجان برپا ہوا کہ

۱- کامل ابن اثیر طبع عثمانیہ ۱۹۲۲ء، جلد چہارم، صفحہ ۲۱۰-
عمر ابو النصر : الحسین صفحہ ۱۹، مکتبۂ جدید لاہور ۱۹۵۵ء-
زید بن ارقم ایک بزرگ تھے جنھوں نے نبی کریم علیہ السلام کا زمانہ دیکھا تھا - جب شہیدوں کے سر نیزوں پر علم ہو کر کربلا سے کوفہ میں آئے تو انھوں نے ابن زیاد کے دربار میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''اے اہل عرب آج سے تم غلام بن گئے ہو کیوں کہ تم نے فاطمہ کے لخت جگر کو قتل کیا اور ابن زیاد (گورنر کوفہ) کو اپنا حاکم بنایا جو نیک لوگوں کو قتل کرتا اور شریروں کو نوازتا ہے -'' دربار دمشق مین بھی یزید کے سامنے بعض اشخاص نے انھی خیالات کا اظہار کیا - ظاہر ہے کہ ان تقریروں میں سیاسی رنگ جھلکتا ہے -

آئندہ چند برس کے اندر جا بجا بغاوتیں ہوئیں جن میں سیاسی اور مذہبی تحریکیں اپنے تمام اثرات کے ساتھ حکومت کے خلاف صف آرا ہو گئیں اور ایک مدت بعد دولت بنی آمیہ کے زوال کا سبب بن گئیں[1] -

ہمیں اس واقعے کے سیاسی اثرات سے بحث نہیں، زیر نظر کتاب کے فکری اور تاریخی سررشتوں کا سراغ لگانے کے لیے صرف اتنا کہنا ہے کہ اس خونیں واقعے کے دو روز بعد جب شہیدوں کے سر ابن زیاد حاکم کوفہ کے دربار میں پہنچے تو بعض اشخاص وفور غم سے بیتاب ہو گئے (مثلاً عبداللہ ابن عفیف) اور اپنے جذبات کا اس بیباکی سے اظہار کیا کہ ابن زیاد نے آن کی گرفتاری اور قتل کا حکم دے دیا - جناب زینب بنت علی مرتضیٰ کی دردناک تقریر نے اہل کوفہ کے دل ہلا دیے[2] - دمشق میں یزید کے سامنے جب انھوں نے اپنے خاندان کی تباہی اور قاتلان حسین کی سفاکی کا بیان کیا تو وہ تلاطم برپا ہوا کہ یزید کو بغاوت کا خطرہ محسوس ہونے لگا - ابو برزہ اسلمی نے یزید کو جن الفاظ میں ملامت کی آن میں وفور جذبات نے خطیبانہ انداز پیدا کر دیا ہے[3] - یہ تمام واقعات آن لوگوں نے تحریر کیے ہیں جنھوں نے ان کا عینی مشاہدہ کیا تھا۔ مثلاً عقبہ بن سمعان

۱- تاریخ طبری مترجمہ و مطبوعہ مطبع عثمانیہ ۱۹۳۰ء، جلد دوم حصہ اول - ابن اثیر جلد چہارم، صفحات ۲۱۰ تا ۲۱۴، مترجمہ و مطبوعۂ عثمانیہ ۱۹۲۲ء - براؤن تاریخ ادبیات ایران، جلد چہارم، صفحہ ۱۸۱، طبع کیمبرج ۱۹۵۳ء -

۲- تاریخ حسینی طبع آگرہ، صفحہ ۱۰۲ -

۳- ایضاً صفحہ ۱۱۹ -

اور ضحاک مشرقی ۔ ابو مخنف نے واقعۂ کربلا میں شریک ہونے والے سپاهیوں اور افسروں سے جو تفاصیل حاصل کیں انهیں اس نے اپنی کتاب (مقتل حسین طبع لاهور ۱۹۵۸ء) میں ضبط کیا هے جو آنے والے مورخوں یعنی کلبی ، ابن سعد ، واقدی ، ابن جریر طبری ، ابوالفرج اور ابن اثیر کے لیے مقاتل و مصائب کے سلسلے میں ایک اهم دستاویز هے اور مقتل ابی مخنف کے نام سے معروف هے ۔ یه کتاب جو کبھی نایاب تھی اب مختلف ممالک میں بعد ترجمه طبع هو چکی هے اور هر جگه دست یاب هوتی هے[۱] ۔

مذکوره بالا مؤرخوں نے اس سانحے کی جو تفصیلات لکھی هیں اُن میں مؤرخانه فرائض کے احساس کے علاوه یه جذبه بھی کارفرما هے که حسین ابن علی رسول پاک کے نواسے اور جناب فاطمةالزهرا کے لخت جگر تھے ۔ لیکن اس واقعے کا چرچا تاریخ کی کتابوں سے اتنا نہیں هؤا جتنا اُن عام تقریروں اور روایتوں سے هوا جو شهادت امام عالی مقام کے بعد هر شهر اور قریے میں هونے لگی تھیں ۔ بعض لوگوں نے جو اهل بیت سے تولا رکھتے تھے غم ناک مرثیے لکھے جنهیں اهل عرب کے حافظے نے محفوظ کر لیا ۔ جب ابن زیاد نے کوفے سے اس حادثے کی خبر حاکم مدینه عمرو بن سعید ابن عاص کو بھیجی اور اُس نے برسر منبر اس کا اعلان کیا تو بنی هاشم کی نظر میں دنیا تیره و تار هو گئی اور

۱۔ بعض اشخاص مثلاً عباس شوستری جیسے فاضل اس مقتل کے قدیم ترین اقتباسات کو موجوده کتاب کی عبارت سے ملاتے اور بے حد اختلاف عبارت دیکھ کر رائے قائم کرتے هیں که یه کتاب اصل کتاب سے مختلف هے ۔

انھوں نے بیتابی و بے قراری کے عالم میں جا بجا اس خونین واقعے کا بیان کرنا شروع کیا ۔ زینب بنت عقیل ابن ابی طالب نے جو امام عالی مقام کی چچا زاد بہن تھیں ، مدینے کی خواتین کو اپنے دردناک مرثیے سے تڑپا دیا ۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اس کے چند اشعار نقل کیے ھیں :۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم
ماذا فعلتم انتم آخرالامم
بعترتی و باھلی بعد مفتقدی
منھم اساریٰ و قتلیٰ ضرجوا بدم
ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم
ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

(اے مسلمانو ! تم جو آخری اُمت ھو، جب جناب احمد مختار سوال کریں گے کہ تم نے میری عترت اور اھل بیت کے ساتھ میری وفات کے بعد کیسا سلوک کیا تو تم کیا جواب دو گے؟ اُن کی آل آج اس حالت میں ھے کہ بعض اشخاص خون میں نہائے پڑے ھیں اور بعض قیدی بنا کر دربار یزید میں پیش کیے گئے ھیں ! میں نے تمھیں شریعت و ھدایت کی راہ دکھائی تھی ، اُس کا یہ بدلا ھرگز نہیں ھونا چاھیے تھا کہ تم میرے اھل بیت کو اس طرح تباہ کردو !)[1]

۱۔ تاریخ کامل جلد چہارم ، طبع عثمانیہ ، صفحہ ۱۶۵ ۔
بنی ھاشم میں خطابت ، انشاء اور شعرگوئی کا ذوق متواتر و متوارث تھا ۔ ابن سعد نے بھی طبقات میں وفات رسالت مآب کے بہ سلسلہ جو مرثیے نقل کیے ھیں اُن میں جناب عاتکہ ، صفیہ اور اروی کے کہے ھوئے مرثیے شامل ھیں جو حضرت عبدالمطلب کی بیٹیاں اور حضور رسالت مآب کی پھوپھیاں تھیں ۔ یہ سب مرثیے ۳۲ صفحات پر حاوی ھیں ۔ دیکھئے طبقات صفحہ ۱۲۹ تا ۱۶۱ طبع عثمانیہ ۔

سلیمان بن فتہ تیمی کا مرثیہ بھی مشہور ہوا - اس میں جذبات کی شدت کے ساتھ سیاسی رنگ بھی شامل ہے - چند اشعار کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے :-

میں خانوادۂ رسالت کے گھروں کی طرف سے گزرا
مگر وہ کبھی ایسے ویران نہیں ہوئے تھے جیسے
اس روز جب ان کی حرمت و عزت برباد کی گئی۔
کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں
کی گردنیں جھکا دیں - ان مقتولوں سے دنیا کی
امیدیں وابستہ تھیں لیکن افسوس یہ امیدیں
مصیبت میں تبدیل ہو گئیں - وا مصیبتا !

چوتھی صدی ہجری میں کہ بنو عباس کا اقتدار زوال کی منزل میں آ چکا تھا ، ایران کے بعض حصوں میں ایسی حکومتیں قائم ہوئیں جن کے بادشاہ شیعہ ہونے کے اعتبار سے محرم میں واقعۂ شہادت کے بیان کا خاص اہتمام کرتے تھے - خاندان بویہ اور آل زیاد کے اکثر سلاطین جن کی حکومت عراق عجم سے مشرق ایران تک اور شمال مغرب میں طبرستان تک پھیلی ہوئی تھی ، عزاداری کا اہتمام کرتے تھے اور اسی دور میں یہ صورت پیدا ہوئی کہ واقعات میں ایسی روایات کی چاشنی شامل ہونے لگی جو صحیح نہ تھیں لیکن ان میں درد و غم کے عناصر تھے - یہ ایران کی خصوصیت ہے کہ تاریخ میں بھی تخیل کی طلسم کاری کو راہ دیتا ہے اور ان روایات کو قبول کر لیتا ہے جو خیال انگیز ہوں - چناں چہ جناب قاسم ابن حسن کی شادی ، شہادت امام کے بعد ان کے گھوڑے کا جناب شہربانو کو کسی

نامعلوم علاقے میں پہنچا دینا ، زندان دمشق میں سکینہ بنت حسین کا انتقال وغیرہ وغیرہ اسی دور کی پیداوار ہیں جن میں عہد بہ عہد اضافے ہوتے چلے گئے اور بعض اشخاص یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ واقعات کربلا کی صحیح تاریخ کہیں نہیں ملتی [۱]۔

آل تیمور کا آخری ذیجاہ فرماں روا سلطان حسین غازی تھا جس کا وزیر میر علی شیرنوائی اپنی علم دوستی اور سرپرستی اہل ہنر کے لیے معروف ہے۔ جامی جیسے شاعر اسی علم پرور وزیر کے دامن سے وابستہ تھے۔ اس نے جن شاعروں کی تربیت کی ان میں کمال الدین حسین واعظ کاشفی کا نام اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ ادب ، انشا ، خطابت ، تفسیر ، حدیث وغیرہ کے علاوہ

۱۔ مثلاً ابوالکلام آزاد۔ داستان کربلا ، طبع لاہور ۵۸ء صفحہ ۳۲۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اس رائے سے اتفاق نہیں ہو سکتا۔ واقعات کربلا مختلف مقاتل و تواریخ میں صحت کے ساتھ ملتے ہیں۔ طبری اس سلسلے میں بہت محتاط ہے اور عرب مورخ بلکہ یوربین اہل قلم بھی اس کی احتیاط اور صحت استناد کے معترف ہیں۔ مثلاً حتی (تاریخ عرب ، طبع میکملن لندن ۱۹۵۱ء، صفحہ ۳۹۰)۔ مارگولیوتھ (عرب مورخ ، طبع کیمبرج ، تیسرا لیکچر)۔ حتی حیرت کے ساتھ یا قوت حموی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ طبری کی عمر اور تصنیفات کا اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر روز اوسطاً چالیس ورق تصنیف کر لیتا تھا۔ انگریزوں کے علاوہ دوسرے مستشرقین بھی طبری سے پورا اعتناء کرتے ہیں۔ چناں چہ ہرمان زوٹن برگ نے سات سال کی محنت کے بعد تاریخ طبری کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جو ۱۸۵۴ء میں پیرس سے شائع ہوا۔

نجوم میں بھی دخل رکھتے تھے اور اپنی فصاحت و بلاغت ، خوش بیانی و خوش آوازی کی بدولت نویں صدی هجری کے آخری عشروں میں مقبول خاص و عام تھے ۔ انوار سہیلی اور اخلاق محسنی سے آن کا نام بہت معروف ہے لیکن یہاں آن کی اس تصنیف کا ذکر مقصود ہے جو پانچ صدی سے واقعات شہادت کی اہم اور عزیز کتاب سمجھی جا رہی ہے اور جس کے نام سے روضہ خوانی (ذکر شہادت) کی اصطلاح نکلی[1] ۔ اس کا نام روضۃ الشہدا اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ مصنف نے واقعات شہادت کو صدق دل سے لکھنے کی کوشش کی ہے ۔

یہ کتاب جو کم و بیش ایک لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے ، ایران میں اپنی سلاست و وضاحت اور واقعات کربلا کی تفصیل کے لیے مشہور رہی ہے ۔ اگرچہ کتاب میں بعض غلط روایتیں بھی موجود ہیں تاہم اس میں شک نہیں کہ اس کا انداز بیان واضح ، مربوط اور دل چسپ ہے ۔ اس کتاب کے تتبع میں ذکر شہادت کی متعدد کتابیں لکھی گئیں[2] جن کے پھیلنے سے روضہ خوانی کے فن کا عام رواج ہو گیا ۔ بعض اشخاص نے اس فن کو اپنا پیشہ بنا لیا اور گرمی بازار کے

---

(۱) براؤن ۔ ادبی تاریخ ایران ، جلد چہارم ، طبع کیمبرج ۱۹۵۳ء ، صفحہ ۱۸۱ و ۲۲۹ ۔ حبیب السیر ، طبع نولکشور ۱۸۸۰ء ، جلد سوم ، صفحہ ۳۴۱ ، ذکر کاشفی ۔

(۲) فضولی بغدادی نے جو فارسی و ترکی دونوں زبانوں میں دسترس رکھتا تھا ، روضۃ الشہداء کو حدیقۃ السعداء کے نام سے متعدد اضافوں کے ساتھ ترکی میں ترجمہ کیا تھا ۔ براؤن ، جلد چہارم ، صفحہ ۲۳۷ ۔ شعر العجم ، جلد سوم ، صفحہ ۶۷ ، طبع ظفر بک ڈپو ۱۹۲۹ء ۔

خیال سے تحریر و تقریر میں ایسی روایتیں بیان کرنے لگے جو سراسر غلط تھیں لیکن اُن سے اُنھیں قبول عام حاصل ہو سکتا تھا ۔ آل بویہ کے زمانے میں یہ بدعت شروع ہوئی تھی لیکن نویں اور دسویں صدی ہجری میں غلط روایات کی کثرت ہو گئی۔

اس زمانے میں ہندوستان میں ایک نئی زبان پر پرزے نکال رہی تھی ، جسے مختلف وقتوں میں دکنی ، گجراتی ، ہندوی ، ریختہ اور اُردو کے نام سے پکارا جاتا رہا ۔ ان دنوں مغلیہ سلطنت کا نیر اقبال عروج پر تھا ۔ درباری زبان فارسی تھی ، لیکن عوام اس زبان سے آشنا ہو چکے تھے جو شمالی ہند ، گجرات اور دکن کی مقامی بولیوں میں فارسی و عربی الفاظ کے ملنے سے پیدا ہوئی تھی ۔ ہمایوں کے زمانے سے مغل خاندان میں شیعی خیالات و عقائد کا دخل ہونے لگا تھا جس نے ولائے اہل بیت اور ذکر شہادت کو عام کر دیا تھا[1]۔ دکن میں عادل شاہی اور قطب شاہی خاندانوں کے اکثر بادشاہ شیعہ تھے اور عزاداری کا بہت اہتمام کرتے تھے ۔ اُن کے ایماء سے نیز عام حالات کے تحت واقعات شہادت کی متعدد کتابیں لکھی گئیں ؛ نظموں ، مناجاتوں اور مرثیوں

---

(۱) ایران کی صفوی سلطنت جو ہند کی حکومت مغلیہ کی معاصر ہے ، عزاداری اور مداحی اہل بیت کی حامی تھی ۔ طہماسپ اور شاہ عباس کبیر نے تو درباری شعراء سے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم جیسے دنیاداروں کی مدح کرنے کی بجائے ائمۂ اطہار اور اہل بیت رسول کی مدح کرو تاکہ فلاح دارین نصیب ہو ۔ محتشم کاشی کا مشہور مرثیہ اور ہفت بند اسی تحریک کا نتیجہ ہیں ۔

کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا ۔ ان شعراء کے مرثیے (نوری ، ہاشم ، کاظم ، سیوا) فنی اعتبار سے اتنے کامیاب تھے کہ اورنگ زیب عالم گیر کے سپاہی جب اپنے وطن یعنی شمالی ہند کو جاتے تو تحفہ یا تبرک کے بطور ان مرثیوں کو ساتھ لے جاتے تھے۔ ان تمام تصانیف پر آسی کتاب یعنی روضۃ الشہدا کی روایات کا سایہ نظر آتا ہے جو ایران سے نکل کر ہندوستان میں بھی اتنی ہی مقبول ہو چکی تھی[1] ۔ لیکن صرف ان اشخاص تک محدود تھی جو فارسی لکھ پڑھ سکتے تھے ۔ اس بناء پر ایک ایسی تالیف کی ضرورت برابر محسوس ہوتی رہی جو واقعات شہادت کو مقامی سادہ زبان میں بیان کر سکے ۔

اس ضرورت کو فضلی نے ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں پورا کیا اور دیباچے میں وجہ تصنیف بھی بیان کر دی کہ عورتیں فارسی زبان کم سمجھتی ہیں اس لیے میں نے ہندوی زبان میں روضۃ الشہدا کا ترجمہ کر دیا اور دہ مجلس یا کربل کتھا (داستان کربلا) اس کا نام رکھا ۔ یہ کتاب اپنے زمانے میں بہت مقبول تھی اور پچھلی صدی تک

۱۔ اس دور میں روضۃالشہدا کے متعدد ترجمے ہوئے جن میں ولی ویلوری اور سیوا کے منظوم دکنی ترجمے، ولی احمد آبادی کا اردو ترجمہ ، ایک منظوم ہندی ترجمہ ، فتح محمد کی روضۃالشہدا منظوم ، وارث علی کی ذکرالشہادتین (ترجمۂ سرالشہادتین از شاہ عبدالعزیز دہلوی) عبداللہ ، صوفی احمد خاں اور فیاض الدین کی اسی نام کی کتابیں ، تقریرالشہادتین ترجمۂ سرالشہادتین ، ریاض الشہادتین عین البکا ، دہ مجلس فدا ، دہ مجلس ہرپرشاد ، دوازدہ مجلس خیرالدین وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ حیدری کی گلشن شہیداں اور گل مغفرت کا بیان اگلے صفحات میں آتا ہے ۔

اس کے قلمی نسخے اکثر مقامات پر مل جاتے تھے[1] - اب یہ نایاب ہے - کریم الدین اپنے تذکرۃالشعراء میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو تمام و کمال پڑھا ہے - یہ میرے کتب خانے میں موجود تھی - حامد حسن قادری کا بیان ہے کہ انھوں نے مفتیان گوپامئو کے قدیم کتب خانے میں یہ کتاب دیکھی تھی جو نقل در نقل اور ناتمام تھی[2] - یہاں بہ طور نمونہ اس کی چند سطریں دیباچے میں سے نقل کی جاتی ہیں :—

> ''لہذا پیش ازیں اس صنعت کا نہیں ہوا کوئی مخترع ، اور اب تک ترجمۂ فارسی بہ زبان ہندوی نہیں ہوا مستمع ، پس اس اندیشۂ عمیق میں غوطہ کھایا اور بیابان تامل و تدبر میں سرگشتہ ہوا لیکن راہ مقصود کی نہ پائی - ناگہ نسیم عنایت الٰہی گشن افکر پر اہتزاز میں آ ، یہ بات آئینۂ خاطر میں منہ دکھلائی کہ بہ فکر عظیم بغیر امداد ارواح مقدسۂ حسنین علیہ السلام حسب خواہش محبوں کے سر انجام نہ پاوے -''

حامد حسن قادری اس کتاب کی عبارت سے خوش نہیں -

۱- کربل کتھا کے مختلف اجزا اور برٹش میوزیم کے نسخے کی عکسی تصویر سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اسے ترتیب دے کر حال ہی میں دہلی سے شائع کیا ہے - اب تک اس کا کوئی نسخہ پاکستان میں نہیں آیا -

۲- داستان تاریخ اردو ، طبع آگرہ ۱۹۵۷ء ، صفحہ ۵۰ اور صفحہ ۹۳ -

یقیناً مندرجہ بالا عبارت عربی و فارسی کے ثقیل الفاظ سے گراں بار ہے لیکن اس میں بعض مقامات ایسے صاف بھی ہیں جن کی عبارت نہایت سادہ و سلیس ہے اور میر امن اور حیدر بخش حیدری کی سادگی و پرکاری کا نمونہ پیش کرتی ہے لیکن یہاں بہ خوف طوالت نظر انداز کی جاتی ہے۔

فضلی کی اس نثری تالیف کے بعد مدتوں کسی معروف ادیب نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ فضلی کی دہ مجلس بجائے خود ایک کامیاب کوشش تھی جس کے ہوتے ہوئے کسی ممتاز اہل قلم نے اس میدان میں قدم رکھنا مناسب نہ جانا، لیکن اصلی وجہ یہ تھی کہ ستر اسی سال تک شمالی ہند میں اردو نظم کو وہ عروج نصیب ہوا کہ نثر کا بازار اس کے سامنے کاسد ہو کر رہ گیا۔ مصائب و مقاتل کے ذکر میں بھی شعراء پیش پیش رہے۔ سکندر، مسکین، سودا اور میر جیسے استادان فن نے بہت عمدہ مراثی لکھے جو مجالس عزا میں پڑھے جاتے رہے۔ اگرچہ یہ لوگ مرثیہ گوئی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہوئے اس میں شاعرانہ نزاکتیں صرف نہ کرتے تھے پھر بھی ان میں فنی لطافت جا بجا جلوہ گر ہے۔ سودا نے تو مرثیہ گویوں کو ان الفاظ میں متنبہ بھی کیا تھا کہ "برائے گریۂ عوام اپنے تئیں ماخوذ نہ کرے" اور یہ بتایا تھا کہ مرثیہ لکھتے وقت صرف رونے رلانے کو نصب العین نہ بنائیں بلکہ شاعرانہ فن کاری کا ثبوت دیں۔

کربل کتھا (دہ مجلس فضلی) کی تالیف سے اسی (۸۰) سال بعد حیدر بخش حیدری نے جو فورٹ ولیم کالج کے لیے نہایت بلند پایہ کتابیں لکھ چکے تھے، پھر اس طرف توجہ کی۔

انھوں نے حسین واعظ کاشفی کی روضۃالشہدا کا مبسوط ترجمہ 'گلشن شہیداں' کے نام سے کیا ۔ یہ کتاب اب نایاب ہے اور اس کی عبارت کا نمونہ پیش کرنا ممکن نہیں ، ورنہ اندازہ ہوتا کہ حیدری نے اس میں کیا ہنرمندی دکھائی تھی[1] ۔ گل مغفرت کے آغاز میں انھوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب ۱۸۱۰ء کے قریب عقیدت و دینداری کے جذبے کے تحت لکھی تھی ۔ اب کسی کو اندازہ نہیں کہ یہ کتاب کس ضخامت کی تھی ، اس کی ترتیب کیا تھی اور وہ کس طرح نایاب ہو گئی ۔ اتنا غنیمت ہوا کہ حیدری نے اپنے دوست مولوی حسین علی جون پوری کی تحریک پر اس کا خلاصہ کر لیا تھا جو گل مغفرت کے نام سے ۱۸۱۲ء میں طبع ہو کر جا بجا پھیل گیا ۔ ایک صدی نہ گزری تھی کہ یہ کتاب بھی نایاب ہو گئی ۔ چناں چہ سید محمد صاحب کو اس کا کلکتہ ایڈیشن دستیاب نہیں ہوا ۔ مولوی عمر یافعی سے جو نسخہ ہاتھ آیا وہ بمبئی کے مطبع حیدری کا تھا اور ۱۲۸۷ھ یعنی ۱۸۷۰ء میں چھپا تھا ۔ سید محمد صاحب کا بیان ہے (اگرچہ انھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا) کہ اس کے اور بھی کئی ایڈیشن مختلف مطبعوں سے شائع ہوئے تھے[2] ۔ اگر یہ صحیح ہے تو

۱- قاموس‌الکتب صفحہ ۶۰۷ ، طبع کراچی سے یہ سراغ ملتا ہے کہ گلشن شہیداں کا قلمی نسخہ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کے کتب خانے میں موجود تھا جس کی تاریخ کتابت ۱۲۳۷ھ ہے ۔ مؤلفین نے اس سلسلے میں مولوی صاحب کے کتب خانے کی فہرست کا حوالہ دیا ہے ۔

۲- ارباب نثر اردو ، صفحہ ۷۲ ، مکتبۂ معین الادب ۱۹۵۰ء ۔

تسلیم کرنا پڑے گا کہ حیدری کی یہ کوشش نہایت مشکور ہوئی کہ عوام نے اس پر قبول عام کی مہر لگائی ۔ فرانس میں بھی مسٹر برٹرانڈ نے ۱۸۴۵ء میں بہ مقام پیرس اسے طبع کر کے اُردو کی قدردانی کا حق ادا کیا ۔

کتاب کی ترتیب کا انداز وہی ہے جو اس قبیل کی عام کتابوں یعنی دہ مجلس ، دوازدہ مجلس کا ہوتا ہے کہ عشرۂ محرم کے لیے دس مجلسیں ترتیب دیتے ہیں جن میں سے پانچ تو پنج تن پاک کی رحلت کے ذکر پر مشتمل ہوتی ہیں اور باقی پانچ یا سات میں امام حسین اور ان کے سرفروش ، جانباز رفیقوں کی شہادت کا بیان ہوتا ہے۔ گل مغفرت میں دس یا بارہ کے بجائے سولہ مجلسیں ہیں تاکہ عشرۂ محرم کے بعد رسوم کی مجلس فاتحہ (پھولوں میں) دسویں ، بیسویں اور چہلم وغیرہ کی تقاریب پر بھی پڑھنے والوں کو الگ الگ مجلسیں پڑھنے کا موقع مل سکے ۔

گل مغفرت کا اسلوب

حیدری نے یہ کتاب مولوی حسین علی کی فرمائش پر تالیف کی تھی اور اس کی تہہ میں خلوص و عقیدت کے جذبات کارفرما تھے ۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوششوں میں فن کار بعض اوقات آرائش و اہتمام فن کے تقاضے پورے کرتے ہیں لیکن بعض اوقات آن سے غافل بھی ہوجاتے ہیں اور خلوص ہی کو حاصل فن سمجھ لیتے ہیں ۔ زیرنظر کتاب میں مؤخرالذکر

صورت کارفرما ہے ۔ حیدری سیدھے سادے جملوں میں اپنا مطلب ادا کرتے ہیں اور قواعد صرف و نحو ، ساخت و آرائش کلام ، آهنگ کے حسن اور انتخاب الفاظ کی طرف سے بالعموم بے پروائی برتتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح ۱۲۱۳ھ میں انہوں نے تین چار کتابیں کہل عجلت سے تیار کی تھیں اسی طرح فورٹ ولیم کالج سے واپس آنے کے بعد ۱۸۱۲ء میں انہوں نے مختلف کام بہ یک وقت انجام دیئے تھے اور عبارت کے آہنگ یا موزوں الفاظ کی تلاش پر متوجہ نہ ہو سکے ۔ ممکن ہے کہ یہ خلاصہ بھی انہوں نے ۱۸۱۲ء کے ماہ جنوری میں یا اس سے بھی کم عرصے میں تیار کر لیا ہو ۔ مجھے اس رائے کی صحت پر چنداں اصرار نہیں لیکن جب آن کی آرائش محفل جیسی کتابوں کی عبارت پر نظر پڑتی ہے تو نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے اور قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاید فضلی کی طرح حیدری نے بھی یہ کتاب کم سواد عورتوں اور بچوں کے لیے لکھی تھی ، جن کے واسطے اہتمام فن اور آرائش عبارت کی انہوں نے ضرورت نہیں سمجھی ۔

حامد حسن قادری کی رائے ہے کہ اس کتاب میں :

> ”حیدری کا طرز تحریر سادہ ہے ۔ عبارت مقفّیٰ نہیں لیکن عربی و فارسی کے الفاظ زیادہ استعمال کرتے ہیں ۔ محاورے کا خیال نہیں رکھتے ۔ میر امن چھوٹے جملے ، ہندی الفاظ ، روزمرہ و محاورہ اس طرح بھرتے ہیں کہ آن کی عبارت نہایت دل کش ہو جاتی ہے ۔“

(داستان تاریخ اردو صفحہ ۹۷ ، طبع آگرہ ۱۹۵۷ء)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حامد حسن صاحب کی رائے میں صحت سے قریں ہیں اور اس سنجیدگی و نکتہ رسی سے خالی ہے جس کا اظہار ان سے اکثر مواقع پر ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حیدری کے اسلوب میں میر امن کا سا انضمام فن نہیں ملتا ؛ ان کی عبارت اتنی رواں، دل نشین اور دل آویز نہیں ہوتی، تاہم وہ فورٹ ولیم کالج کے عظیم ترین (بہ اعتبار تعداد تصانیف) مصنف ہیں اور ان کا بڑا واضح طرز نگارش انداز بیان ہے جس میں اگرچہ اہتمام فن کم ہے لیکن زبان کی سلاست، فقروں کی در و بست، عبارت کا آہنگ بہت حسن پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کی مثالیں ان کی مشہور ترین کتابوں یعنی توتا کہانی اور آرائش محفل (ہفت سیر حاتم) میں جا بجا ملتی ہیں۔ یہاں ان کا اقتباس بے محل ہوگا تاہم وضاحت کے لیے حیدری کے اسلوب کی چند خصوصیات بیان کردینا مناسب ہے۔

وہ کتابیں جو حیدری نے فورٹ ولیم کالج میں آنے سے پہلے لکھی تھیں یعنی 'قصۂ مہر و ماہ' اور 'لیلیٰ مجنوں' اب مفقود ہیں، ورنہ یہ اندازہ بہ سہولت ہو سکتا کہ کالج میں آنے سے پہلے ان کا انداز نگارش کیا تھا۔ فورٹ ولیم کالج کی ایک مخصوص فضا تھی جس کا اثر کم و بیش ہر مصنف پر پڑا ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اس ادارے کے مصنفوں نے اپنا سابقہ اسلوب یک قلم ترک کر دیا تھا۔ میر امن یہاں آنے سے پہلے بھی اسی قسم کی نثر لکھتے ہوں گے اور اسی روزمرہ میں کلام کرتے ہوں گے جو باغ و بہار میں ملتا ہے۔ شیرعلی افسوس، بہادر علی حسینی اور حیدر بخش حیدری ہر ایک کا انداز تحریر جداگانہ

ہوگا ، جو کالج کی انتظامی و سیاسی ضروریات کے تحت کسی قدر تبدیل ہوا ہوگا ۔ اس نظریے کے تحت یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حیدری کے اسلوب میں مندرجہ ذیل خصوصیات واضح طور پر نظر آتی ہیں :۔

(الف) سلیس رواں عبارت جس میں وہ فارسی ، عربی اور ہندی کے الفاظ متوازن انداز میں لا کر ایک ایسا آہنگ پیدا کرتے ہیں جو میر امن کی سطح تک تو نہیں پہنچتا لیکن دوسرے مصنفوں سے کہیں زیادہ لوچ دار ، دل آویز اور مربوط ہے ۔

(ب) سلاست و سادگی کے باوجود وہ آرائش زبان سے غافل نہیں ہوتے اور سجع ، قافیہ ، تشبیہ و استعارہ سے جتنا حسن اعتدال کی حدود میں رہ کر پیدا کیا جا سکتا ہے ، وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں ۔

اس طرح حیدری کے اسلوب میں دبستان دہلی کی نثر کی سادگی کے ساتھ وہ رنگین انداز موجود ہے جو ان دنوں شمالی ہند میں عام تھا اور جس سے غالب جیسے جدت پسند بھی اعتناء کرتے تھے ۔ یعنی سجع و قافیہ ، صنائع و بدائع ، مضمون آفرینی اور تشبیہ و استعارہ کی وہ رنگینی جو لکھنؤ میں ان دنوں بہ شدت رائج تھی اور جس کا کامل عروج فسانۂ عجائب میں نظر آتا ہے ۔ حیدری نے لکھنوی دبستان سے بے اعتنائی نہیں کی لیکن وہاں سے صرف وہی عناصر انتخاب کرکے اپنے کام میں لائے ہیں جو عبارت کو حسن اور آہنگ بخشنے کے لیے ضروری تھے ۔ یہ بھی اعتدال و

احتیاط کے ساتھ مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ھے کہ انھوں نے دبستان دھلی کی سادگی میں لکھنوی انداز نگارش کا پیوند لگایا ھے ، جس سے توتا کہانی اور آرائش محفل میں سلاست ، آھنگ ، رنگینی و دل نشینی کا حسین امتزاج پیدا ھوگیا ھے ۔ گل مغفرت کا معاملہ بالکل مختلف ھے ۔ جیسا کہ پہلے بیان ھوا ، مصنف نے اس میں آرائش و اھتمام سے کام نہیں لیا ۔ یہی وجہ ھے کہ اس کی عبارت میں آتنا حسن نہیں ۔

تاھم حیدری نے بعض مقامات پر سلیس ، شگفتہ اور رواں عبارت لکھنے کا بھی اھتمام کیا ھے ۔ اگرچہ آرائش محفل اور توتا کہانی والی بات پیدا نہیں ھوئی لیکن سادہ ، عام فہم اور سلیس فقرے موضوع کے عین مطابق ھیں ۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل عبارت جناب خاتون جنت سیدۃالنساء فاطمۃالزھرا علیہا السلام کی مجلس وفات سے نقل کی جاتی ھے :—

”جناب فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا کہ یا علی ، علیکم السلام! یہ وقت وصیت کا ھے ۔ سچ کہتی ھوں کہ پیالہ زندگی کا بھرا ، وعدہ پورا ھوا ۔ یہ بات سن کر حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ صلعم ، و اے سرور سینۂ خیرالورا اگر کچھ وصیت کیا چاھتی ھو تو ارشاد کرو ۔ جناب سیدۃ النساء کہنے لگیں کہ یا علی چار وصیتیں ھیں : ایک یہ کہ اگر کوئی تقصیر آپ کی خدمت فیض درجت میں ایسی ھوئی ھو کہ جس کے باعث حضور پر نور کی خاطر عاطر

پر گرد ملال آ گئی ہو تو معاف کرو ۔ یہ
بات سن کر حضرت مرتضٰی عَلی علیہ السلام
آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے کہ
خدا کی قسم آج تک کوئی بات تم سے ایسی نہیں
ہوئی کہ جس سے میرے دل کو رنج ہوا ہو ۔
دوسری وصیت بیان فرماؤ ۔ جناب خاتون قیامت
نے ارشاد کیا کہ یا علی میرے فرزندوں ،
بے کسوں کو پیار کرنا ۔ ان جگر گوشوں ، راحت
جانوں کی طرف سے ایک آن غافل نہ ہونا ۔
جناب امیر علیہ‌السلام نے کہا ، قبول کیا ۔ پھر
حضرت فاطمۃالزہرا علیہا السلام نے ارشاد کیا
کہ رات کے وقت مجھے دفن کرنا ، نامحرم کی
آنکھ میرے جنازے پر نہ پڑنے دینا ۔ چوتھی
وصیت یہ ہے کہ میری قبر پر آنے جانے سے
باز نہ رہنا کیوں کہ مجھے اس جناب پاک سے
نہایت انس ہے ۔“

یہ عبارت نہایت سادہ و صاف ہے ۔ کہیں کہیں
گرد ملال ، زندگی کا پیالہ جیسے استعارے بھی اپنا حسن
دکھا جاتے ہیں ۔ ”جگر گوشوں ، راحت جانوں“ کی سادگی
قواعد کی غلطی کے باوجود بے حد دل نشین ہے ۔ حیدری
نے استعاروں سے عبارت کو چمکانے کا طریقہ ہر جگہ
برتتا ہے ۔ ذیل کے فقروں میں یہ فن کاری صاف
نمایاں ہے :-

(الف) اس آتش فتنہ کو تم اپنی آب شمشیر سے
بجھا دو ۔

(ب) جناب امام حسین مسند نبوت و امارت پر بیٹھے۔

(ج) تمھارے باپ نے اس دنیائے دوں سے رخت حیات اٹھایا۔

(د) بلبل روح نے قالب عنصری سے نکل کر گلشن جنت کی طرف بال شہادت سے پرواز کیا۔

(ہ) حضرت شہر بانو اُن کا منہ دیکھتی تھیں اور بلبل تصویر کی طرح خاموش کھڑی تھیں۔ چشمۂ چشم سے دریائے سرشک بہا جاتا تھا وغیرہ۔

انھوں نے بعض مواقع پر صنائع بدائع سے بھی کام لیا ہے، جس میں افراط کے بجائے اعتدال پایا جاتا ہے اور نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لف و نشر، رعایت لفظی، تجنیس، مراعاۃ النظیر اور صنعت طباق کے نمونے جا بجا ملتے ہیں جن میں سے چند یہاں درج کیے جاتے ہیں:

(الف) ابتدا میں اُس جناب اقدس کے قدم پر نثار کریں۔ (طباق یا تضاد)

(ب) اتنے میں شمر ذی الجوشن نے پیش دستی کرکے قدم آگے رکھا۔ (طباق و رعایت)

(ج) ہمارے سر تن سے اتاریں گے اور نیزوں پر چڑھائیں گے۔ (طباق)

(د) ایک مردود خدا نے وہ ہاتھ بھی اُس قوت بازوئے حسین کے بدن مبارک سے جدا کیا۔ (رعایت)

(ھ) حضرت مسلم کے شہید ہونے کے بعد بعضے بعضے غمازوں نے پسر زیاد سے کہا کہ حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے دو لڑکے جن کے حسن دلفروز کے دیکھنے کی تاب مہر و ماہ نہیں رکھتے، اُن کے لعل نوشیں کا شہرہ سن کر لعل و یاقوت معدن سنگ سے نہیں نکلتے، اس شہر میں کہیں چھپ رہے ہیں۔

(حسن تعلیل)

(و) کبھی بائیں سمت کی سیاہ رو سیاہ کو کائی کی طرح پھاڑ ڈالتا تھا۔ (تجنیس)

آرائش کلام کی یہ کوششیں جا بجا نظر آتی ہیں لیکن عام انداز یہی ہے کہ وہ سادہ و سلیس عبارت سے کام لیتے ہیں جو اس موضوع کے لیے بہت موزوں ہے۔ وہ کہیں کہیں فارسی محاورات اور عربی عبارات بالخصوص حروف استغاثہ کا ترجمہ بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

حر زخمی ہو کر اپنے اسپ بادپا سے گرے، پکار کر کہنے لگے یا ابن رسول اللہ ادرکنی جلد خبر لو میری۔

میری قبر پر آنے جانے سے باز نہ رہنا۔ (یہ باز نہ ایستید کا ترجمہ ہے)

اے مادر مہربان، ہو سکتا ہے کہ ایک کٹورا پانی پلا دے۔ (آیا ممکن است کا ترجمہ ہے)

بعض جگہ فارسی اشعار کا بھی بے تکلف ترجمہ کر دیا ہے مثلاً:

ہے اگر ذات خدا درد و الم سے بے غم
لیک دل میں ہے وہ اور دل میں ہر اک کے ہے الم

یہ محتشم کاشی کے شعر سے ماخوذ ہے :

هست از ملال گرچه بری ذات ذوالجلال
او در دل است و هیچ دلے نیست بے ملال

اسی طرح یہ شعر بھی :

گر کبوتر کو میں اپنا نامۂ پُرسوز دوں
ہے یقیں جل جائیں اس کے بال و پر اس سوز سے

فارسی کے اس شعر سے مستفاد ہے :

ز شرح شوقم آتش در پر روح‌الامیں افتد
اگر غم نامۂ هجر تو بر بندم به بال او

لیکن یہ تمام تکلفات حیدری اسی وقت جائز رکھتے ہیں جب انھیں اپنے جذبات پر قابو ہوتا ہے۔ جب درد و غم کے جذبات ان پر غالب آ جاتے ہیں تو وہ تزئین و آرائش سے بے نیاز ہو کر سادہ نگاری کا شعار اختیار کر لیتے ہیں اس عالم میں ان کی عبارت کا جو اسلوب ہے اس کا اندازہ لگانے کے لیے شہادت مسلم ابن عقیل علیہ السلام والی مجلس سے روضۃ الشہدا (فارسی) اور گل مغفرت کی عبارتیں پہلو بہ پہلو رکھ کر پڑھیے تاکہ حیدری کے ترجمے اور تلخیص کا اسلوب سمجھ میں آ سکے ۔ جناب مسلم شہید ہونے سے پہلے ابن زیاد حاکم کوفہ سے یوں خطاب کرتے ہیں :

روضۃ الشہدا

یا ابن مرجانه یقین می دانم که بکشتن من امر خواهی کرد پیش ازان صورت کسے را فرمائے که از قبیلۂ خویش

قریش ؟) باشد نزد من آید و وصیتے کہ من دارم بشنود ۔ پز نگریست ، عمرو سعد را دید ، گفت کہ اے پسر سعد بنا بر قرب قرابت کہ مرا با تست وصیت می کنم ۔ یقین آنکہ وصیت ہائے مرا قبول کنی ۔ وصیت اولیٰ آنکہ ہفت صد درم وام دارم و اسپ من نعمان حاجب دارد ازو بستان و سلاحے کہ در بردارم بردار ی و سلاح مرا بہ اسپ من بفروش و وام مرا ادا کن۔ عمرو سعد قبول کرد ۔ پس فرمود کہ وصیت دوم آنست کہ چون مرا شہید کنند می دانم کہ سر مرا بہ شام خواہند فرستاد ۔ تن مرا از از زیاد در خواہی و در محلے کہ مناسب دانی دفن کنی ۔ پسر زیاد کہ این سخن بشنود گفت کہ چون ترا کشتہ باشم ہر چہ با جسد تو خواہند گو کنند ۔ بس گفت وصیت سوم آنست کہ بہ حضرت شہزادہ امام حسین ابن نامہ نویسی کہ کوفیاں بے وفائی کردند و پسر عمت کشتہ شد ، تو زینہار بہ کوفہ نیائی و بہ قول ابن مردم فریفتہ نہ شوی ۔

(نسخۂ قلمی صفحہ ۱۳۳ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

گل مغفرت

اے ابن مرجانہ تو مجھے جیتا نہ چھوڑے گا ۔ اس نے کہا میں البتہ تمھیں قتل کروں گا ۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک آدمی اہل قریش سے میرے پاس بھیج دے کہ میں اسے اپنی وصیتیں کروں ۔ اتنے میں عمرو ابن سعد کو دیکھا آسے بلا لیا اور فرمایا کہ میں اس شہر میں سات سو دینار کا دین دار ہوں ۔ تو میرا گھوڑا نعمان حاجب سے لے لینا اور میرے ہتھیار بیچ کر میرے قرض خواہوں کا قرض ادا کر دینا

دوسری وصیت یہ ہے کہ جب مجھے شہید کریں اور سر میرا شام بھیجیں، پسر زیاد سے دھڑ مانگ کر جس جا کہ مناسب جاننا گڑوا دینا ۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ ایک خط حضرت امام حسین کو ان کوفیوں کی بے وفائی کا لکھنا کہ حضرت تم ان کے قول و قرار پر مت جانا ۔

(کتاب ھذا ، صفحات ۸۶ و ۸۷)

ثابت ھوتا ہے کہ جذباتی مواقع (Emotional situations) پر ، بالخصوص غم و اندوہ کے عالم میں ، حیدری صناعی ، قافیہ بندی ، رنگین نگاری سے ھاتھ اٹھا لیتے ھیں ۔

سادگی اور تکلف کا یہ امتزاج جس کی مثالیں نثر سے بیان ھوئیں ، نظم میں بھی نمایاں ہے ۔ گل مغفرت میں جا بجا نظم کے ٹکڑے آئے ھیں جن میں سے بیشتر نوحوں کا انداز رکھتے ھیں اور ھیئت کے لحاظ سے مستزاد قرار پاتے ھیں ۔ ان میں بے حد سادگی ہے ۔ جہاں صناعی و آرائش کا خیال آ گیا ہے وھاں حیدری نے نظم میں بھی صنائع سے کام لیا ہے ۔ لیکن یہاں ان کی یہ کوشش خوش نما نہیں معلوم ھوتی ، پھیکا تکلف نظر آتی ہے ۔ صحیح صورت یہ ہے کہ وہ نظم کے لیے نہیں بلکہ نثر کے لیے پیدا ھوئے تھے ۔ نظم میں وہ بہت پھیکے ھیں ۔ علاوہ ازیں ان کے اشعار مین جاں بازی و شجاعت کا وہ رنگ بھی نظر نہیں آتا جو انیس کے مرثیوں کا نمایاں وصف ہے ۔ عربی مقاتل اور تاریخوں میں امام حسین کے سرفروش اصحاب کے جو مکالمات درج ھیں ان کی دو ایک مثالیں یہ ھیں :

حضرت مسلم ابن عقیل کا رجز :

''میں نے قسم کھائی ہے کہ چن چن کر سورماؤں ہی کو قتل کروں گا۔''

مکہ معظمہ میں امام حسین کا خطبہ :

''جس طرح نوخیز لڑکی کا گلا ہار سے آراستہ ہوتا ہے ، ہر انسان کے گلے میں موت کا ہار پڑا ہوا ہے ؛ میں اپنی قتل گاہ کو ہر جگہ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں ۔''

جناب علی اکبر کا فیصلہ :

''ہم حق پر ہیں تو کچھ پروا نہیں خواہ موت ہماری طرف آئے یا ہم موت کی طرف جائیں ۔''

جناب عباس ابن علی مرتضیٰ اپنے چھوٹے بھائی کو یہ کہہ کر میدان جنگ میں بھیجتے ہیں :

''بڑھو میرے عزیز تاکہ میں اپنی آنکھوں سے تمہیں قتل ہوتے ہوئے دیکھوں ۔''

امام حسین اپنی مختصر فوج کو ہدایت کرتے ہیں :

''موت کی طرف خوبصورتی سے قدم اٹھاؤ ۔''

گل مغفرت میں ایسی روح پرور عبارتیں بہت کم ہیں ۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے مصائب و مقاتل کی کتابوں میں غلط لیکن درد انگیز روایتیں شامل ہونے لگی تھیں ؛ گل مغفرت بھی ان سے پاک نہیں ہے ؛ لیکن بقول گوئٹے ''عظمت انسانی کی انتہا یہ ہے کہ اس کے واقعات پر افسانویت کا زریں پردہ پڑ جائے ۔''

اهل تحقیق کی اس قول سے تسلی نہ ہو بہ ایں ہمہ ان روایتوں نے فارسی اور اردو ادب کو تخیل ، مرقع نگاری اور حسن بیان کے بعض نادر نمونوں سے مالا مال ضرور کیا اور اس کتاب کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا مناسب ہے ۔

عزائیہ ادب نے اردو نظم و نثر کو ایک اور رجحان بھی بخشا ہے ، یعنی کربلا کے جان باز شہیدوں کی داستان سے ہماری روایات حسن و عشق میں بہت سے تصورات اور معاملات مستعار لے لیے گئے ہیں :

جاں نثاروں نے ترے کر دیے جنگل آباد
خاک اڑتی تھی شہیدان وفا سے پہلے

بوئے خوں دیتا ہے کچھ مجھ کو یہ گلشن اے صبا
ہے شہیدوں کا یہاں کس گل کے مدفن اے صبا

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
خدا اجرے دہد ایں عاشقان پاک طینت را

لکھنؤ کے غزل گو شعراء مثلاً امیر مینائی ، عزیز ، صفی اور بعض دیگر حضرات مثلاً حالی ، داغ ، محمد علی جوہر ، فانی بدایونی اور اقبال نے بھی اپنے اشعار میں اس روایت کو غزل کا جزو بنا دیا :

حور بن کر ترے کشتے کی قضا آتی ہے
دامن تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے
(وزیر)

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا
(غالب)

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا
(محمد علی جوہر)

نہ کیا ذبح گیا چھوڑ کے بسمل قاتل
دھن زخم پکارا کیے قاتل قاتل
(رند)

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
(اقبال)

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
(غالب)

کریں آپ سے ہم دغا توبہ توبہ
یہ کوفی کریں گے ، یہ شامی کریں گے
(داغ)

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ
(شیفتہ)

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ، ابتدا ہے اسماعیل
(اقبال)

دل مرا کُشتہ ہے یا رب کس شہادت گہ کا
ہر شگاف زخم دروازہ ہے بیت اللہ کا
(امیر)

پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا
چھپتا نہیں جال تمہارے شہید کا
(حالی)

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
(محمد علی جوہر)

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
(اقبال)

گل مغفرت

از

سید حیدر بخش حیدری دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درود و فاتحہ پہلے رسول کے اوپر
پھر اُس کے بعد علی و بتول کے اوپر

شفیع روز قیامت ھیں احمد و حیدر
نبوت اور ولایت ھے ختم دونوں پر

جناب فاطمہ کی کس سے ھو بیاں توقیر
کہ اس کی شان میں نازل ھے آیۂ تطہیر

حسن کی روح کے اوپر سدا درود و سلام
کہ ھے وہ سبط پیمبر امام ابن امام

پلا کے پانی میں سم اُس تئیں شہید کیا
کلیجہ اُس شہ بے کس کا ٹکڑے ھو کے گرا

حسین کشتۂ خنجر پہ جان و دل سے سدا
درود و فاتحہ بھیجو اے بندگان خدا

تمہارے واسطے سر اُس نے اپنا کٹوایا
تمہارے واسطے گھر اُس نے اپنا لٹوایا

فاتحہ

درود و فاتحہ زین العبا پہ ہے دن رات
کہ مخلصی کی ہے اس پیشوا کے ہاتھ برات

ستم گروں نے ہے اس شاہ کو شہید کیا
گلے میں طوق پنہا ہاے دست گیر کیا

درود و فاتحہ ہر دم امام باقر پر
کہ ہے وہ روشنیٔ چشم احمد و حیدر

ہوا شہید ستم سے وہ شافع کونین
نبی کے دین کا حامی علی کا نورالعین

درود و فاتحہ ہر دم امام جعفر پر
کہ ہے وہ مخبر صادق کے دین کا رہ بر

دغا سے ظالموں نے اس کو بھی شہید کیا
بجھایا حضرت خیرالبشر کے گھر کا دیا

درود و فاتحہ ہردم امام موسیٰ پر
کہ ہے وہ سر خدا راز دار پیغمبر

کیا شہید لعینوں نے اس کو کر کے دغا
کیا نہ پاس نبی کا نہ ڈر خدا کا کیا

درود و فاتحہ تم اس امام دیں پہ پڑھو
شہید طوس رضا جس کو کہتے ہیں یارو

بیاں میں اس کی شہادت کا کیا کروں تم سے
یہی کہ قاتلوں سے اس کے کبریا سمجھے

وہ ہے جو حضرت والا گہر امام تقی
شفیع ہر دوسرا واقف خفی و جلی

درود و فاتحہ ہے اُس پہ ہر صباح و مسا
کہ ہے وہ شافع شر شہید راہ خدا

وہ ہے جو بحر ولایت کا گوہر غلطاں
لقب ہے جس کا امام نقی شہ دوراں

درود و فاتحہ اُس پر پڑھو برائے خدا
ستم گروں نے دغا سے اُسے شہید کیا

درود و فاتحہ تم اُس پہ صدق دل سے پڑھو
شگفتہ جس نے کیا باغ دین احمد کو

کہے ہے اُس کو حسن عسکری ہر ایک بشر
شہید راہ خدا ہے وہ شافع محشر

درود و فاتحہ اے حاضران بزم عزا
پڑھو بہ روح شریف امام ہر دوسرا

فاتحہ

درود و فاتحہ ہر دم بہ صدق دل اُس پر
کہ ہے وہ مہدیٔ ہادی امام جن و بشر

الٰہی ہووے جہاں میں ظہور اب اُس کا
کہ ہے وہ شافع محشر امام ہر دوسرا

الٰہی جلد دکھا اُس امام عادل کو
جدا کرے وہ عدالت سے حق و باطل کو

وہ باغ دیں کو کرے آب تیغ سے شاداب
وہ خار کفر کو کر دے جہان سے نایاب

الٰہی ہیں گے جو اس محفل عزا میں کھڑے
صدف میں چشم کی ہیں جن کے دُرّ اشک بھرے

امیر و مفلس و ادنٰی غریب اور فقیر
قوی ، ضعیف ، توانا ، صغیر اور کبیر

برائے شاہ شہیداں نجات ہو اُن کی
گروہ آل عبا میں برات ہو اُن کی

جو مبتلا ہوں مرض میں وہ سب شفا پاویں
وہ طوف کعبہ کریں اور کربلا جاویں

علاقہ جس کا نہ ہو نوکری کا ہو جاوے
جو قید میں ہو الٰہی وہ مخلصی پاوے

جو بانی آل عبا کی ہو محفل غم کا
الٰہی خرم و شاداں تو رکھیو اُس کو سدا

کہی ہے فاتحہ جس نے یہ جو پڑھے اس کو
بہ روزِ حشر شفیع اس کا ابن حیدر ہو

کہے ہے حیدری ہر یک سے اپنے ہاتھ اُٹھا
درود و فاتحہ آل عبا پہ پڑھیو سدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و سپاس ہے اُس خالق بے ھمتا کی کہ جس نے اپنے مقبولوں کے الم کرنے کی جزا کو روز جزا میں موجب سرور کا کیا ، اور اُن کے گوھر اشک غم کو جو صدف چشم سے جلوہ گر ھوا آبرو بخش در یکتا کا ۔

بیت

ہے اگر ذات خدا درد و الم سے بے غم
لیک دل میں ہے وہ اور دل میں ھر اک کے ہے الم

نعت

نعت ہے اُس رسول مقبول کی جس کو حق تعالیٰ نے اپنے نور خاص سے پیدا کیا کہ وہ ھردم گم راھوں ، گنہ گاروں کا شافع و راہ نما ھوا ۔ رحمت خدا کی نازل ھوجیو اُس پر اور اُس کی آل پاک و وصی بر حق پر !

بیت

بہر اسم رسول نے یاں تک بہائے اشک
جو بحر مغفرت ھو بہے قطرہ ھائے اشک

مدح

مدح کرتا ہوں اُس امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کی جو سب پر غالب ہے ، اور جو ہے اُس کا طالب ہے۔ اُسی نے اپنا سر سجدۂ خالق میں کٹوایا ۔ رسول کی امت عاصی کو بخشوایا ۔ درود خدا کا نازل ہوجیو اُس ولی خدا و وصی محمد مصطفیٰ پر!

بیت

سر اُمت عاصی کے لیے اپنا کٹایا
دوزخ سے علی نے ہمیں ہر طرح بچایا

بعد اس کلام متبرک کے صاحبان درد و غم و مبتلایان رنج و الم پر ظاہر و ہویدا ہووے کہ اس حیدر بخش حیدری نے کتاب 'گلشن شہیداں' سے جس کو پہلے کتاب 'روضۃ الشہدا' سے زبان ریختہ میں ترجمہ کیا تھا ، اب شہر محرم الحرام کی بیسویں تاریخ سن بارہ سو ستائیس ہجری میں جناب فیض مآب ، گل گل زار معانی ، شمع بزم نکتہ دانی ، گوہر بحر سیادت و امامت ، سرو جوئبار گلشن شرافت و نجابت ، مولوی سید حسین علی صاحب جون پوری زادالطافہ کے ارشاد کرنے سے جن کی خدمت فیض درجت میں اس ہیچ مداں کو ایک رسوخ دلی و نیاز باطنی ہے ، اس نسخۂ دہ مجلس کو انتخاب کیا اور نام اس کا ''گل مغفرت'' رکھا ۔ اس لیے کہ ہر یک خاص و عام کی نظر اشرف سے گزرے ، مقبول خاطر عاطر ہووے ، بہ حق محمد و آلہ الا امجاد ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی مجلس حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی وفات کی

قطعہ

جو اشک گرے بہر جگر گوشۂ زہرا
ہے لاکھ عبادات سے بہتر یہ عبادت

اے حیدری آنسو نہ سمجھ اس کو سنا ہے
کہتے ہیں اسے اہل نظر بحر شفاعت

اے مومنو ! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ اس کی محفل عزا میں بیٹھو ، اپنی صدف چشم سے گوہر سر اشک بہاؤ :

نظم

ہے یہ وہ غم کہ مَلک جس میں سدا روتے ہیں
جنّ سے لے تا بہ بشر سب بہ خدا روتے ہیں

علوی و سفلی پہ کیا جتنے ہیں مخلوق خدا
اس الم میں بہ علی صبح و مسا روتے ہیں

عرش کی چھاتی پھٹی پھوٹ بہے لوح و قلم
سدرہ ماتی پہ گرا ارض و سما روتے ہیں

سوز دل سے نہ جلے کیوں کہ یہ خورشید جہاں
ہر زماں ہو کے فلک پشت دوتا روتے ہیں

کعبہ رونے لگا زمزم کے ہوئے اشک رواں
سرور دیں کے لیے کر کے عزا روتے ہیں

حوریں جنت میں ہیں زہرا کے لیے گریہ کناں
ساکن ارض و سما دل کو جلا روتے ہیں

حیدری ماتم شبیر میں ہو کر بے تاب
آدم و حور و ملک سب بخدا روتے ہیں

اے مومنو ! دین دارو ! و اے اہل بیت رسالت کے هوا خواهو ! معلوم کرو کہ پہلے رنج و بلا کا تحفہ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہنچا ، وہ یہ تھا کہ جناب رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیدا ہونے کے پہلے ان کے باپ نے اس دنیاے دوں سے رخت زندگانی اٹھایا ، صحرائے ممات کی طرف قدم رکھا ، اس لیے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے باپ کے اخلاص اور پیار نہ دیکھیں ، اُن کی مہر و محبت کی گود میں نہ بیٹھیں - ہے ہے ہنوز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ماں کے پیٹ میں تھے کہ اُن کے پدر بزرگوار کو مارا - غبار یتیمی سے اُس جناب سید الثقلین کے آئینۂ دل کو بھرا -

یہ روایت حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اُس وقت ملائکوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم

کے نام سے پکارا ، اُن کی یتیمی پر گوہر اشک اپنی صدف چشم سے بہایا :

بیت

گو شکل تیری گرد یتیمی سے بھر گئی
قیمت بڑی گہر میں ہے در یتیم کی

حق تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ملائکو ! معلوم کرو ، اگرچہ میرا حبیب یتیم ہوا لیکن اُس کا حافظ و مددگار میں ہوں اور اُس کا وکیل و مختار کار۔ تم سب اُس پر صلوات و سلام بھیجو ، ہر ایک مخلوق سے بہتر و مبارک جانو ۔ سبحان اللہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چھ برس کے ہوئے، اُن کی ماں نے بھی رخت حیات اٹھایا ، سفر آخرت کا خیال کیا ۔ اس غم و الم کی بات کچھ کہی نہیں جاتی ۔ یہ دوسری مصیبت اُس صاحب لولاک پر پڑی :

فرد

گوہر ہوا یتیم تو قیمت بڑی ہوئی
حق نے کیا ہے نرخ یہ در یتیم کا

کہتے ہیں کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چھ برس کے ہوئے ، اُن کی ماں جناب فیض مآب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے ہوئے مدینہ منورہ میں تشریف لائیں ، اس واسطے کہ اپنے خاوند کی زیارت کریں ، اُن کی گور پر قدرے رو ویں کیوں کہ وہ مدینۂ منورہ میں دفن ہوئے تھے۔

اتفاقاً پھرتے ہوئے ایک صحرا کی طرف جا نکلیں ، وہاں پہنچتے ہی بیمار پڑیں ۔ ایک دن حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُن کے سرھانے بیٹھے ہوئے منہ اُن کا دیکھتے تھے اور اپنی تنہائی و بے کسی ، غریبی و مسافری پر رو رو کے یہ بیت پڑھتے تھے :

بیت

سخت مشکل ھے جدائی ھو اگر دل دار سے
حال تنہائی کہوں اپنا میں کس غم خوار سے

اور بی‌بی آمنہ حالت غش میں تھیں ، جب ھوش میں آئیں اپنے فرزند جگر بند محمد مصطفیٰ صلی‌اللہ علیہ و آلہ و سلم کی طرف متوجہ ہوئیں ؛ دیکھا کہ جناب فیض مآب صلی‌اللہ علیہ و آلہ وسلم کی چشم اشک بار سے گوھر آب دار کی ایک جھڑی لگ رھی ھے - دریائے سرشک کی ندی بہی جاتی ھے - بے قرار ھوئیں اور یہ دو تین بیتیں اپنی زبان درفشاں پر لائیں :

ابیات

دے تجھے اے لخت دل برکت خدا
خواب میں دیکھا جو میں نے ماجرا

ھاتف غیبی نے تیرے واسطے
جو کہا مجھ سے وہ سب میں نے سنا

گر یہ سچ ھے تو یقیں کر اے پسر
تجھ کو پیغمبر کرے گا کبریا

اُمت عاصی کی خاطر کر یقیں
حق تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا

پھر فرمانے لگیں کہ اے نور دیدۂ مادر و اے سرور سینۂ مادر! اگرچہ میں مروں گی پر نام میرا زندہ رہے گا اور صفحۂ روزگار سے تا یوم القیام نہ مٹے گا کہ تجھ سا راحت جان وحبیب سبحان جنی ، ایسا نیک ذات و والاصفات دنیا کے پردے پر چھوڑ چلی :

بیت

جیتا ہے وہ جہاں میں رہے جس کا یادگار
فرزند نیک سیرت و دل بند نام دار

کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرئیل امین جناب اقدس رب العالمین کی طرف سے کئی مثقال کافور بہشت بریں کا لائے اور کہنے لگے " اے محبوب خدا ! حق تعالی نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ کافور کہ بہشت بریں کی آب و گل سے سنا ہے ، بطور تحفہ و ھدایا کے عطا فرمایا ہے ۔" جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے وہ کافور حضرت جبرئیل کے ھاتھ سے لے لیا اور اس کے چار حصے کر کے ایک اپنے واسطے رکھا ، ایک حصہ جناب مرتضیٰ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو عنایت کیا ، ایک حصہ حضرت فاطمہ زھرا علیہا السلام کو عطا فرمایا ، ایک حصہ جناب امام حسن علیہ السلام کو مرحمت کیا ۔

اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام زار زار روتے اور صدف چشم سے گوھر اشک بہاتے ہوئے اپنے نانا جان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت فیض درجت میں تشریف لائے اور آن کے گلے

میں باھیں ڈال کر کہنے لگے " نانا جان ! کیا میں اس کافور کے لائق نہ تھا جو مجھے نہ عنایت فرمایا۔" اس بات کے سنتے ھی حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم نے جناب امام حسین علیہ السلام کا منہ چوما اور فرمایا کہ اے جان نانا و اے روح روان نانا ! اس تقسیم میں ایک راز ھے ، اس کا پوشیدہ ھی رکھنا بہتر ھے۔ یہ فرماتے تھے اور گلے لگا لگا کر تسکین دیتے تھے ، پر جناب امام حسین علیہ السلام ھرگز گریہ و زاری سے باز نہ رھتے تھے ، اور بھی زیمادہ زیادہ اس کے مصر ھوتے تھے ؛ یہاں تک کہ حضرت رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ راز نہفتہ اپنی زبان معجز بیان سے بیان کیا کہ اے جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! ایک دن وہ ھوگا کہ تجھ کو میدان کربلا میں با لب تشنہ و گرسنہ شہید کریں گے - ھے ھے تین شبانہ روز تیری نعش کو تیرے فرزندوں اقرباؤں کی نعش سمیت اس دشت کربلا میں بے گورو کفن طپش آفتاب سے جلاویں گے - پس اے جان نانا و اے روح روان نانا ! معلوم کر کہ وھی خاک کربلا تیرے واسطے کافور ھے - ھے ھے تو اس میدان قتال میں شہید ھوگا اور اپنے ھی خون پاک سے غسل کرے گا - تیرے خیمۂ جاہ و جلال کو جلاویں گے اور تیرے اھل بیت کو اسیر کر کے اونٹوں پر بٹھلا ویں گے - سچ جان کہ میری امت عاصی کی شفاعت تیرے ھی شہید ھونے پر موقوف ھے -

اس بات کے سنتے ھی تمام اھل بیت رسالت آپے میں نہ رھے ، ڈاڑھیں مارمار رونے لگے ؛ خصوصاً جناب فاطمہ زھرا

علیہا السلام نے اپنے تئیں قریب ہلاکت کے پہنچایا ، ہزار ہزار بار غش کھایا :

بیت

کروں میں گریۂ زہرا کو کس طرح تحریر
کہ میرے دیدۂ گریاں ہوئے ہیں دامن گیر

پس اے یارو ! آگہ دلو ! و اے مومنو ، رقیق القلبو ! اب دو کلمے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی وفات کے سنو، چشمۂ چشم سے دریائے سر اشک بہاؤ اور اپنے سر دھنو ۔

حکایات جگر سوز کے بیان کرنے والوں اور روایات غم اندوز کے ظاہر کرنے ہاروں نے یہ احوال جاں گزا اور یہ ماجرائے ہوش ربا اس طور سے بیان کیا ھے کہ حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ہجری کے دسویں برس جب حج الوداع ادا کیا ، عرفے کے روز یہ آیۂ کریمہ ''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی'' (یعنی آج کامل کیا میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو اور تمام کیا میں نے تم پر اپنی نعمت کو) نازل ہوا ۔ اس آیۂ کریمہ سے شمیم الہام گلشن دارالوصال سے مشام جان میں پہنچی ۔ غدیر خم میں نماز پیشین ادا فرمائی اور زبان مبارک سے یہ بات کہی کہ اب مجھے عالم بقا کی طرف بلایا ھے اور میں نے بھی بہ جان و دل قبول کیا ھے ۔

ماہ صفر کے آخر آخر جناب فیض مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی حالت ، مرض کی زیادتی سے دن بہ دن

متغیر ہونے لگی ۔ آخر کار جمعے کے روز ایک ہاتھ حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کے دوش مبارک پر دھرے اور ایک ہاتھ جناب فضل ابن عباس کے کاندھے پر رکھے ہوئے مسجد شریف میں تشریف لائے اور منبر کی پہلی سیڑھی پر بیٹھ کے مہاجروں اور انصاریوں سے فرمانے لگے کہ اے یارو ! آگاہ دلو ! معلوم کرو کہ ہر یک شخص نے شربت ممات چکھا ہے اور چکھے گا ۔ اب میری اجل نزدیک آئی ، زندگانی ہوچکی ، میں تم سے چھٹا ، تم مجھ سے جدا ہوئے ۔ بس اے یارو! ہوا خواہو ! دیکھو میں تم میں ایسا پیغمبر تھا کہ جہاد میں میرے دندان مبارک شہید کیے ۔ میرے خون سے میرے رخسار گل رنگ بھرے ۔ میں نے کیا کیا رنج و الم دیکھے۔ اپنی قوم کے جاہلوں کے ہاتھ سے کیسے کیسے دکھ بھرے ۔ بھوک کے وقت پیٹ پر اینٹ باندھی ، شکوے کی بات منہ سے نہ نکالی ۔

اس کلام حیرت افزا اور اس سخن ہوش ربا کے سنتے ہی تمام اصحاب کبار آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے ”جناب والا ۔ سچ فرمایا“ بعد اس کے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد کیا کہ اے یارو ! ایمان دارو! و اے مومنو! مسلمانو ! میں تم سے بہ خوشی تمام کہتا ہوں اور قسم دیتا ہوں کہ جس جس کا حق مجھ پر رہ گیا ہو ، وہ بلا تامل مجھ سے طلب کرے ، اپنا معاملہ بھر لیوے ، خاطر کو راہ نہ دیوے ۔ یہ بات سن کر ایک شخص کہ جس کا نام عکاسہ تھا ، اس مجلس سے اٹھا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا

کہ یا رسول خدا! آپ نے سفر تبوک میں تازیانہ ممشوق اپنے اونٹ کو مارا۔ وہ کوڑا اسے نہ لگا، میرے کاندھے پر اس زور سے پڑا کہ جس کا بیان نہیں کر سکتا۔ اس بات کے سنتے ہی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے اور سلمان کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ وہ کوڑا جناب فاطمہ علیہا السلام کے خانۂ منور میں ہے، جلد جا اور لے آ۔ سلمان نے حضرت خاتون قیامت کے در دولت پر جا کر عرض کی کہ یا فاطمہ زہرا! جناب فیض مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تازیانہ ممشوق مانگا ہے، عنایت کیجیے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فرمایا کہ اے سلمان! بابا جان بیمار ہیں؛ اونٹ پر سوار ہونے کی تاب و طاقت نہیں رکھتے، تازیانہ کیا کریں گے؟

سلمان نے عرض کی کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ، و اے سرور سینۂ حامی روز جزا! آج وہ صاحب لولاک مسجد میں منبر پر بیٹھا ہے، ہریک چھوٹے بڑے کو رخصت فرماتا ہے اور ادائے حقوق چاہتا ہے کہ جس کسی کا حق مجھ پر رہ گیا ہو طلب کرے، مجھے بار دین سے نکالے۔ بات یہ ہے کہ ایک دن جناب والا یہ کوڑا اپنے اونٹ کو مارا چاہتے تھے، اتفاقاً یہ تازیانہ کسی اور شخص کے کاندھے پر لگا، اب وہ حضور اقدس سے اس کا قصاص چاہتا ہے۔

اس بات کے سنتے ہی جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام گھبرائیں اور کہنے لگیں کہ اے سلمان! تجھے اپنے

خدائے کریم کی قسم اُس شخص سے کہہ کہ جناب رسالت مآب پر رحم کرے ، اُسے تازیانہ نہ مارے ۔

بعد اُس کے حضرت خاتون قیامت نے جناب حضرت امام حسن و جناب حضرت امام حسین علیہما السلام کو بلوا کر فرمایا کہ اے نوردیدۂ مادر و اے سرور سینۂ جد و پدر ! تمہارا نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں رونق افزا ہے اور ایک شخص اُس کے جسم زار پر تازیانۂ معشوق مارا چاہتا ہے ۔ تم جلد جاؤ اور اُس ایک کوڑے کے بدلے اپنے جسم نازنین پر سو سو کوڑے کھاؤ ؛ اس لیے کہ وہ سرور کائنات اور وہ مفخر موجودات نہایت بیمار ہے ؛ اُس کو یہ طاقت کہاں کہ کسی کا کوڑا کھاوے یا اُس کی تاب لاوے ۔

اس بات کے سنتے ہی جناب حسنین علیہما السلام سر و پا برھنہ ، گریۂ و نالاں مسجد میں در آئے اور عکاسہ سے بہ منت و زاری کہنے لگے کہ اے عکاسہ! برائے خدا اس ایک کوڑے کے بدلے ہم دونوں بھائیوں کو سو سو کوڑے مار ، ہم قبول کریں گے ، پر اپنے نانا جان کا صدمہ کہ وہ نہایت بیمار ہے ، نہ دیکھ سکیں گے ۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان معجز بیان سے فرمایا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی و فاطمہ زھرا ! جس حالت میں کہ میں نے مارا ہووے پھر اس کا قصاص تم کیوں کر ادا کر سکو گے ؟ یہ بات کہہ کر عکاسہ سے کہا کہ اب دیر نہ کر ، اپنا قصاص لے ، اس بات میں کچھ فکر و تامل کو راہ نہ دے ۔ اُس

نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی ''یا رسول خدا ! اس روز میرا
کاندھا کھلا تھا ، چاہتا ہوں کہ آج اس جناب فیض مآب
کا بھی دوش مبارک برہنہ ہووے ۔'' ووہیں حضرت
رسالت پناہ صلی اللہ علیه و آله وسلم نے ردائے مبارک
دوش مقدس سے جدا کی ۔ ملایکوں فرشتوں کے نالہ و فغان
سے اک قیامت برپا ہو گئی ۔ اصحابوں ہواخواہوں نے
اپنا حال تباہ کیا ۔ اُن کی چشم خوں چکاں سے ایک
دریائے سرشک بہہ چلا ، لیکن جب عکاسہ کی نظر جناب
فیض مآب کے کتف مبارک پر پڑی اور مہر نبوت دکھلائی
دی ، دوڑا ، اس خاتم مشکین کا بوسہ لیا ۔ دونوں شانوں کے
درمیان اپنا منھ دھر کر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ!
میری غرض قصاص کی نہ تھی ، بلکہ میری مراد یہ تھی
کہ مہر نبوت دیکھوں ، بعضے بعضے اعضا اس جناب پاک
کے مس کروں ، کیوں کہ حضرت نے خود اپنی زبان
درفشاں سے فرمایا ہے کہ ''من مس جلدی لم تمسسه النار''
یعنی جو کوئی مس کرے گا میرے جسم کو ، مس نہ
کرے گی نار اُس کو ۔ بعد اس کے حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیه وآله وسلم منبر شریف سے اُترے ، اپنے
دولت خانۂ رسالت میں تشریف لائے ، لیکن روز بہ روز
جناب رسالت مآب کا مرض بڑھتا تھا اور جسم زار ہوتا
جاتا تھا ۔

ایک دن حضرت جبرئیل بہ حکم رب الجلیل آسمان سے
سطح خاک پر آئے اور کہنے لگے ''یا رسول خدا ! حق
سبحانہ تعالیٰ نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے اگر جی

چاہے تو اس دار فانی سے آپ کو اٹھاؤں، دریائے رحمت و معرفت کا غریق کروں ، اور نہیں تو شفا بخشوں ، ایک آن میں اچھا کر دوں ؟''

یہ بات سن کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یا اخی جبرئیل! میں نے اپنے تئیں خدائے کریم کو سونپا ، چاہے مارے چاہے جلاوے ۔

اتنے میں حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام آہ و فغاں کرتے ہوئے تشریف لائے اور کہنے لگے ''یا رسول خدا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ جو زرہ پہنے ہوں ، یکایک وہ زرہ میرے بدن سے اتر پڑی اور میں صاحب زرہ بے زرہ ہو گیا ۔'' جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یا علی ابن ابی طالب! وہ زرہ میں ہوں کہ اب تم سے جدا ہوتا ہوں ، تم تنہا رہ جاؤ گے ۔ کہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام رونق افزا ہوئیں ، رو رو کر کہنے لگیں ''بابا جان میں ۔ خواب دیکھا ہے کہ کئی ورق قرآن شریف کے میرے ہاتھوں میں ہیں اور میں انہیں پڑھتی ہوں کہ وے اوراق میری نظر سے غائب ہو گئے ۔'' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا کہ اے فرزند جگر بند و اے جان ارجمند ! وہ ورق میں ہوں کہ تیرے چشم زار سے اوجھل ہو جاؤں گا ۔ اے فاطمہ ! قریب ہے کہ تو مجھ سے چھٹے اور باپ تیرا تجھ سے جدا ہووے ۔ اتنے میں جناب حسنین علیہما السلام تشریف لائے اور رو رو کر کہنے لگے ''نانا جان ! ہم دونوں بھائیوں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک تخت

ھوا پر اڑا جاتا ھے اور ھم دونوں بھائی اس کے نیچے سر کھلے اور پاؤں ننگے دوڑے چلے جاتے ھیں۔''

جناب فیض مآب نے ارشاد فرمایا کہ اے جان نانا و اے روح روان نانا! وہ تخت میرا تابوت ھے جو لیے جاتے ھیں۔ تم اس کے نیچے اپنے سر کھولے زلف عنبریں پریشان کیے چلے جاؤ گے۔

اس بات کے سنتے ھی اھل بیت رسالت میں ایک حشر برپا ھوا، آہ و فغاں کا شور چرخ بریں سے گزر گیا۔

راوی یوں بیان کرتا ھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے تین روز آگے ملک الموت اور کتنے فرشتوں سمیت ایک عرب کی صورت بنا کر آسمان سے روے زمین پر آئے اور جناب فیض مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آستان فیض نشان پر کھڑے ھو کر کہنے لگے کہ السلام علیکم یا اھل بیت رسالت و نبوت! اگر حکم ھو تو دولت خانۂ محمدی میں آؤں؟ کچھ عرض کرنا ھے، گزارش کروں؟

اس وقت جناب خاتون قیامت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سرھانے بیٹھی تھیں، فرمانے لگیں کہ اے شخص! پھر جا، اس وقت بابا جان سے ملاقات نہ ھو گی۔ جناب فیض مآب اپنے حال میں مشغول ھیں۔ بعد ایک دم کے حضرت عزرائیل نے پھر اجازت چاھی، دولت خانۂ نبوت سے وھی بات سنی۔

تیسری بار حضرت عزرائیل نے زور سے پکار کر کہا

کہ جتنے لوگ اس خانۂ رسالت میں تھے، وہاں اٹھے۔ جناب فیض مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گوش مبارک تک یہ آواز پہنچی، چونک پڑے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام نے التماس کیا "بابا جان! ایک شخص مسافر صورت مہیب و شکل عجیب بنائے ہوئے در دولت پر کھڑا ہے اور حجرۂ مبارک میں در آنے کی درخواست کرتا ہے۔ میں نے تین بار عذر کیا پر اس نے ایک بار بھی میرا کہنا گوش دل سے نہ سنا۔"

یہ بات سن کر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "اے نور دیدۂ پدر و اے سرور سینۂ پدر! کچھ معلوم کیا تم نے یہ شخص کون ہے؟" جناب خاتون قیامت نے عرض کی "بابا جان یہ احوال خدا و رسول خدا پر روشن و مبرھن ہے۔"

حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو لذت زندگانی خاک میں ملا دیتا ہے، رشتۂ اُمید واری خنجر مایوسی سے کاٹ ڈالتا ہے، جمعیت کو پریشانی بخشتا ہے، لڑکوں کو یتیم کرتا ہے، سہاگنوں کو رانڈ بناتا ہے، بے تالے کنجی کھلے بندوں گھر میں چلا آتا ہے، قالب عنصری سے بلبل روح اُڑا لے جاتا ہے۔ در بند کرو تو دیوار سے در آوے، جس گھر میں جاوے سوائے شعلۂ غم اور درد الم کے اور کچھ نہ دکھلاوے۔ اے فاطمہ! یہ ملک الموت ہے، تیرے باپ کی روح قبض کرنے آیا ہے۔ اس آستان فیض نشان کا ادب کرتا ہے کہ بے اجازت اس چوکھٹ سے اپنا قدم ادھر نہیں دھر سکتا، نہیں تو

پوچھنے پاچھنے کی بات نہیں جانتا ۔ پس اے جان بابا و اے گل بستان بابا ! دروازہ کھول دے کہ وہ در آوے ۔"

اس بات کے سنتے ہی جناب فاطمہ نے رو دیا اور فرمایا کہ ہے ہے بابا ، ہے ہے بابا ! اُجڑ گیا مدینہ کہ اس جہاں سے سفر کرتا ہے صاحب سکینہ ۔

وونہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب فاطمہ کو اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینۂ بے کینہ سے لگا کر فرمایا کہ اے نوردیدۂ پدر ، و اے سرور سینۂ پدر ! اس قدر مت رو کہ تیری آہ و زاری دیکھ کر ساکنان عرش روتے ہیں ، اپنا حال تباہ کرتے ہیں ۔ اور کہتے تھے کہ خداوندا ! میری فاطمہ کو صبرجمیل عطا فرما کہ میری جدائی کا بوجھ اس سے نہ اٹھ سکے گا ۔ میری امت عاصی کے گناہ سے درگزر ، روز قیامت کا حساب اس کو معاف کر ۔

اتنے میں حضرت جبرئیل امین نازل ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول خدا ! میں ایک خبر فرحت اثر لایا ہوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مالک دوزخ کو حکم کیا ہے کہ میں نے اپنے حبیب کی روح مطہر کو آسمان پر طلب کیا ہے ، تو آتش دوزخ کو سرد کر ؛ بہشت بریں کے مالک سے فرمایا کہ میرے دوست کے واسطے جنت کو نہایت آراستہ کر ؛ حوروں کو ارشاد ہوا کہ ہر یک گہنے پاتے سے اپنے تئیں بنی بناوے کیوں کہ میرے محبوب کی روح پاک آتی ہے ۔

یہ بات سن کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم نے فرمایا کہ یا اخی جبرئیل ! مجھ سے وہ بات کہو کہ جس سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور ہووے ۔ جبرئیل امین نے عرض کی ”یا رسول خدا ! یہ بات مقرر ہوئی ھے کہ فردائے قیامت کو حسرت و ندامت کے میدان میں پہلے جس کے سر مبارک پر تاج شفاعت رکھیں گے وہ تیری ھی ذات والا صفات ہوگی اور جس کے دست مبارک میں بخشش و شفاعت کا فرمان دیں گے ، وہ تیری ھی ذات بابرکات ہوگی ۔ سوائے اس کے تمام پیغمبروں اور آن کی آمتوں پر جنت حرام ھے ، جب تلک کہ تم اپنی امت کو ساتھ لے کر بہشت بریں میں نہ جاؤ گے ۔

یہ بات سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یا اخی جبرئیل ! اب میرا جی خوش ھوا ، آنکھوں میں نور آیا ۔ بعد اس کے ملک الموت کی طرف اشارت کی کہ نزدیک آ ، جس کام کے واسطے مقرر ھوا ھے اسے انجام کو پہنچا ۔ حضرت عزرائیل بموجب حکم حضور قدس کے روح مبارک کے قبض کرنے میں مشغول ہوئے ۔ جناب فیض مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس حالت جاں کاہ میں چت لیٹے ہوئے چھت کی طرف دیکھتے تھے اور دست مبارک اٹھا کر فرماتے تھے ”الٰہی ! میری امت عاصی کو بخش !“ اتنے میں ھاتھ کانپے اور جھک گئے ، روح مطہر جسم طاہر سے نکل کر عالم وصال کی طرف پرواز کر گئی ۔

ھے ھے ! جناب فاطمہ علیہا السلام رو رو کر پچھاڑیں کھاتی تھیں اور یہ نوحہ زبان مبارک سے ادا کرتی تھیں :

نوحہ

فاطمہ بولیں خاک اڑا کر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !
تم بن آفت ھو گئی مجھ پر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

کس سے کہوں گی اپنی مصیبت ، ھووے گی جس دم مجھ پہ اذیت
زندگی میری ھووے گی کیوں کر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

کرتے نہ تھے تم آنکھ سے اوجھل ، ایک گھڑی بھی میرے تئیں
آج چلے ھو چھوڑ کے کیدھر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

مجھ دکھیا کی کون خبر لے آج بپت میں بابا جان
کیسی پڑی یہ آفت سر پر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

آج نہیں ھے اماں سر پر صبر کروں میں دل جلی کیوں کر
ڈھونڈوں کہاں میں تم کو جا کر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

کون مری غم خواری کرے گا ، دے کے دلاسا تیرے بن
ظلم کریں گے مدعی مجھ پر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

پاس مجھے تو اپنے بلا لے ، داغ جدائی بابا مت دے
ورنہ کہوں گی ھر دم رو کر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

تھا مرا جینا تیرے ھی دم سے اور مری عزت بابا جان
بے ترے جینا جی پہ ھے دوبھر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

یہ ترے دونوں پیارے نواسے روتے ھیں سر پر خاک اڑا کر
ان کی تشفی میں کروں کیوں کر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

آہ کہوں کیا حیدری رو رو تاب نہیں اب میرے جگر کو
جیسے کہ زھرا کہتی تھی رو کر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسری مجلس جناب سیدۃ النسا فاطمہ زہرا بنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کی

قطعہ

خوشا وہ چشم جو ہو نم حسین کی خاطر
خوشا وہ دل جو کرے غم حسین کی خاطر

زہے وہ محفل شادی زہے وہ بزم سرور
کہ جس میں کیجیے ماتم حسین کی خاطر

ہے مومنو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے لباس حیات اپنے جسم مطہر سے اتارا اور سفر آخرت کے اسباب کا تہیہ کیا:

غزل

لازم ہے ہم کو اب ہم، ہو اشک بار روویں
آل نبی کے غم میں زار و نزار روویں

پنہاں بھرو نہ ہرگز آہیں تم اے عزیزو!
وہ وقت ہے کہ ظاہر بے اختیار روویں

پیر و جواں سے لے کر لڑکوں تلک ہے لازم
اس بنت مصطفیٰ پر سب ڈاڑھ مار روویں

لازم ہے بی‌بیوں کو سر کھول کھول اپنا
بنت نبی کے حق میں ہو دل فگار روویں

حق میں سہاگنوں کے بہتر یہی ہے سب سے
زہرا سی دل جلی پر لیل و نہار روویں

خیرالنسا کے غم سے جنت کے بوستاں میں
کیا ہے عجب کہ حوریں ہو بے قرار روویں

حسین کے الم میں کیا ہے عجب عزیزو!
جن و بشر سے لے کر تا کوھسار روویں

تھی ماں نہ جن کے سر پر نے نانا نے پدر تھا
لازم ہے ان کے غم میں ہم بار بار روویں

خالی رہے نہ اک پل آہ و فغاں سے ہرگز
فرصت ملے تو تنہا با چشم زار روویں

اے حیدری یہ رونا باعث ہے مغفرت کا
لازم ہے مومنوں کو زار نزار روویں

اے محبو ! مجلس غم کے بیٹھنے والو ، و اے آل عبا کی بزم کے ماتم دارو ! جناب سیدۃ النسا و مخدومۂ کون و مکان کی فضیلتوں اور بزرگیوں سے کچھ قدرے قلیل بیان کیا جاتا ہے ۔ گوش دل سے سنو اور اس جناب پاک کے احوال پر ملال پر جس قدر ہو سکے ، رقت کرو ۔ خدا کی قسم ! یہ اشک حسرت تمہارے کام آوے گا ، آتش و دوزخ سے بچاوے گا ۔

کتاب آل میں حضرت امام عسکری علیہ السلام کی زبانی یوں لکھا ہے کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ نے جناب آدم و حوا کو بہشت بریں میں نہایت عزت و حرمت سے جگہ دی اور بزرگی بخشی ، حضرت آدم و حوا گلشن فردوس میں از بس کہ ہشاش و بشاش رہنے لگے ، اپنے تئیں صاحب جاہ و جلال سمجھے ۔ یہاں تک ایک دن حضرت آدم نے جناب حوا سے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے سوائے میرے اور کسی بندے کو ایسا نیک و بہتر نہیں پیدا کیا اور نہ کسی کے صفحۂ وجود پر مجھ سے بہتر زیبائی و رعنائی کا نقش کھینچا ۔ وونہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کو فرمایا کہ آدم و حوا کو فردوس اعلیٰ میں لے جاؤ ۔

حضرت جبرئیل امین بہ موجب حکم رب‌العالمین کے حضرت آدم کو حضرت حوا سمیت فردوس اعلیٰ میں لے گئے ۔ حضرت آدم و حوا اس کی سیر کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے ۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لڑکی بہشت بریں کے اچھے خاصے فرش پر نہایت جاہ و جلال سے بیٹھی ہے اور ایک نور کی ٹوپی اس کے سر مبارک پر جلوہ گر ہے ، اور گوہر نور کے دو آویزے ایسے اس کے گوش مبارک میں پڑے ہیں کہ جن کی تابندگی سے تمام بہشت چمک رہا ہے : مصرع

منہ دکھایا تو نے روشن ہوگیا سارا جہاں

حضرت آدم ایسے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بھچک رہ گئے ۔ جبرئیل امین سے پوچھنے لگے کہ یا اخی جبرئیل !

یہ لڑکی، جو اس زیبائی و رعنائی کے ساتھ اس مسند عزت وحرمت پر بیٹھی ہے، کس کی لڑکی ہے کہ جس کی پیشانی کے نور سے ریاض جنت نورانی ہو رہا ہے اور اس کے عارض درخشاں کے باعث گلشن بہشت لہک رہا ہے؟ یہ بات سن کر حضرت جبرئیل امین کہنے لگے ”یہ جناب فاطمہ زہرا حضرت رسالت پناہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی لخت جگر و نور بصر ہے، جو تیرے فرزندوں سے پیغمبر آخر الزمان ہوگا۔“

حضرت آدم نے پھر پوچھا کہ یہ ٹوپی اس کے سر مبارک پر کیسی ہے؟ جواب دیا کہ یہ تاج اس شہزادی کا شوہر علی مرتضیٰ وصی خیرالوریٰ ہے۔ پھر ارشاد کیا کہ یہ آویزے کیسے ہیں؟ عرض کی انہوں نے کہ یہ دونوں اس بی بی پاک دامن کے دو فرزند ارجمند حضرت امام حسن اور جناب امام حسین علیہما السلام ہیں۔

یہ بات سن کر حضرت آدم صفی اللہ علی نبینا و علیہ السلام نے فرمایا ”یا اخی جبرئیل! کیا یہ سب ہم سے پہلے پیدا ہوئے ہیں؟“ جبرئیل امین نے التماس کیا کہ یا حضرت آدم! یہ موجود تھے پردۂ مشیت میں تم سے چار لاکھ برس آگے، سپہر وجود پر مہر درخشاں کی طرح جلوہ گر تھے تم سے کہیں پہلے۔

قطعہ

جس گھڑی میں نے بنایا تیرے کوچے میں مکاں
تھے نہ آدم جب تلک خلد بریں سے آشنا

جب سے یہ بار امامت ہے کیا میں نے قبول
گنج رحمت کا امیں اس دم کہاں جبریل تھا

بس اے یارو آگہ دلو ، و اے مومنو ، آل عبا کے ہوا خواہو ! جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی مصیبت صعب پر روؤ ، آنسو بہاؤ ، اور معلوم کرو کہ حکایات جاں سوز کے لکھنے والوں اور روایات غم اندوز کے بیان کرنے ہاروں نے اس احوال پرملال کو صفحۂ روزگار پر خامۂ درد سے یوں تحریر کیا ہے کہ ایک دن حضرت محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰ کتنے اصحاب سمیت مدینے کی مسجد شریف میں تشریف رکھتے تھے ۔ اتنے میں حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام کی صاحب زادی کے بیاہ کا ذکر ہونے لگا ۔ جناب فیض مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا کہ حضرت سلیمان نے اپنی لڑکی کے واسطے بہت سا جہیز جمع کیا تھا ؛ چناں چہ ایک جڑاؤ ٹوپی ایسی تھی کہ جس میں سات سو گوہر غلطاں لگے تھے ۔ وہ تاج مرصع بھی انھوں نے اپنے داماد کو سلامی دیا تھا ۔ یہ بات سن کر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب اپنے دولت خانۂ امامت میں تشریف لائے ۔ جناب فاطمہ علیہا السلام نے پوچھا ”یا علی! آج بابا جان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعظ کے وقت اپنی زبان معجز بیان سے کیا ارشاد کیا ؟“ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے جو احوال حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان درفشاں سے سنا تھا ، جناب خاتون قیامت علیہا السلام کے رو برو بیان کیا ۔

اس بات کے سنتے ہی جناب سیدۃ النسا ، حامیٔ دو جہاں و مخدومۂ کون و مکاں نے سر جھکا دیا اور کچھ نہ پوچھا ، لیکن آس مخدومۂ دوجہاں کی خاطر عاطر

میں یہ بات گزری کہ حضرت سلیمان بڑے پیغمبر تھے ، پر میرا باپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے کہیں مرتبۂ اعلیٰ رکھتا ہے ۔ سلیمان کی بیٹی کو یہ کچھ مال و اسباب جہیز میں ملے اور جناب فیض مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نور دیدہ و سرور سینہ ایک تانبے کا چھلا بھی نہ پاوے ۔ اُس کا داماد تاج مرصع اپنے سر پر دھرے اور داماد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ ایک رومال بھی نہ لگے ۔

ہے ہے ! اسی روز سے پھر جناب خاتون قیامت نے اپنا سر نہ اٹھایا اور نہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے کچھ کہا ، یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا ۔

اس معصومۂ دو جہاں نے کیا کیا کچھ رنج و الم نہ دیکھا ، اس کے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ۔ ہے ہے ! اس اُمت سے کتنے جفا کاروں بدنہادوں نے چاہا کہ اُس کے خانۂ عصمت و عفت کو جلادیں ، تیر جفا سے اُس کا پہلو چھیدیں ۔ ہے ہے ! اُس نور دیدۂ خیرالبشر کو رلایا ، اور اُس کے فرزند ارجمند محسن کو شہید کیا ۔

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ جب اُس صدمۂ ارتحال سے جناب خاتون قیامت قریب ہلاکت کے پہنچیں ، حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو بلوا کر فرمانے لگیں کہ اے شہ سوار لا فتا و اے تاج دار سورۂ ھل اتیٰ ! اے پناہ امت محمد مصطفیٰ و اے امام ہر دو سرا ! اب ہمارے

اور تمھارے درمیان وقت جدائی نزدیک پہنچا۔ قریب ہے
کہ میں تم سے جدا ہوں، روضۂ رضوان کی طرف کوچ
کروں، کیوں کہ میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ
بابا جان ایک بڑے جڑاؤ بنگلے میں جو موتیوں ہی سے
بنا ہے، بیٹھے ہیں۔ جوں میری نظر اُس کے جمال جہاں آرا
پر پڑی، بے اختیار رو اٹھی اور کہنے لگی کہ بابا جان
کہاں ہو کہ تمھاری جدائی سے قریب ہلاکت کے پہنچی،
جان لبوں پر آ رہی۔ ہے ہے! دل و جگر جل گیا، سر سے
پا تک تمام تن آتش فرقت سے گداز ہوا۔ یہ بات سن کر
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رو دیا
اور اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ اے فاطمہ زہرا و اے
نور دیدۂ خیرالورا! میں تیری ملاقات کے اشتیاق میں
جاں بہ لب ہو رہا ہوں، اس سے سوا تاب مفارقت نہیں رکھتا۔
آہ کیا کہوں، اے جان بابا و اے روح روان بابا! اب
تیری ہی ملاقات کا انتظار کھینچتا ہوں۔ عنقریب ہے کہ
تو اس محنت آباد دنیا سے عشرت کدۂ عالم اعلیٰ کی طرف
متوجہ ہووے، اپنے بابا جان سے ملاقات کرے۔ اے جان
پدر و اے روح روان پدر! میں از بس کہ تیرے دیدار
فرحت آثار کا منتظر ہوں کچھ ایسی تدبیر کر کہ جلد
مجھے ملے، ریاض جنت کی سیر کرے، بلکہ کل کی رات تو
میرے پاس ہووے ساتھ ہی روزہ کھولے۔ یا علی
علیکم السلام یقین ہے کہ آج کی رات میں اپنے بابا جان
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملوں، کیوں کہ
میں نے ایسے مکان عالی شان میں رونق افزا مشاہدہ کیا ہے؛
اس طرح سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر

ایک طرف نگاہ کرتے ہیں کہ جیسے کوئی کسی کی راہ
تک رہا ہو۔ میں نے رو دیا اور کہا ''یا ابتاہ ، بابا جان !
تو کہاں ہے کہ تیری آتش دوری سے میرا دل و جگر
جل گیا اور سراپا شمع سوزاں کی مانند گداز ہوا ؟'' یہ
بات سن کر فرمانے لگے کہ اے فاطمہ ! میں یہاں ہوں
اور تیرا ہی انتظار کھینچ رہا ہوں ۔ بس اے فرزند ارجمند
و اے جگر گوشۂ مستمند ! اب ایام فراق حد سے گزرا ،
تیرے شوق دیدار نے از بس کہ غلبہ کیا ۔ سچ جان ، اب
وہ وقت آیا ہے کہ تو اپنے قفس عنصری کو توڑے اور
اپنے جسم مطہر سے علاقہ جسمانی چھوڑے ؛ خیمۂ حیات
اس دنیائے دوں کے کوچۂ تنگ سے اٹھاوے ، میدان عالم بالا
میں استاد کرائے ؛ اپنی روح پاک اس جہان بے بنیاد
کی طرف سے پھیرے ، عشرت فزائے عقبیٰ کی سمت رجوع
کرے ۔ بس اے جان بابا و اے روح روان بابا ! جلد آ ۔
یقین کر کہ جب تک تو نہ آوے گی میں یہاں سے نہ
جاؤں گا ۔ عرض کی میں نے کہ اے پدر بزرگوار و اے
سر دفتر معرفت کردگار ! میں بھی تمہارے دیدار فرحت آثار
کے دیکھنے کا اشتیاق رکھتی ہوں ۔ ہر آن اسی جستجو
میں رہتی ہوں کہ کسی طرح حضور پر نور کے رخ انور
کی دولت دیدار سے کاسۂ چشم کو مالا مال کروں ، جی
بھر کر دیکھوں ۔

جوں آنکھ کھلی ، بابا جان کی صورت متبرک چشم
انتظار بیں سے اوجھل ہو گئی ۔ 'بابا جان' کہہ کر رونے
لگی ۔ جانتی ہوں کہ آج تیسرے پہر یا کل شام ہوتے ہوتے
اس دنیائے دوں سے رحلت کروں ، جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے ملوں۔

یہ بات سن کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے رو دیا اور فرمایا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفٰے و اے سرور سینۂ رسول خدا! یہ کیا فرماتی ہو؟ اور اس احوال پر ملال سے مجھ کو کیوں رلاتی ہو۔ سوائے اس کے خدا کی قسم میں نے آج تک تم کو ایک روز کار دنیا سے دو کام کرتے ہوئے مشاہدہ نہیں کیا، برخلاف اس کے آج تین کام میں مشغول دیکھتا ہوں۔

جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام نے رو دیا اور کہا کہ یا علی ابن ابی طالب! آٹا اس واسطے خمیر کرتی ہوں کہ کل تم میری تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے یہ فرزند ارجمند بھوکے رہیں۔ اور کرتے ان کے اس واسطے دھوتی ہوں کہ بعد میرے ان یتیموں بیکسوں کے پیراھن کون دھووے گا، اور ان ستم کشوں، مصیبت زدوں کی دل جوئی و خاطر داری کون کرے گا، مٹی اس واسطے بھگاتی ہوں کہ ان غریبوں بے چاروں کی زلفیں اپنے ہاتھ سے دھوؤں، کنگھی کروں؛ نہیں جانتی کہ بعد میرے ان کے بال کون جھاڑے گا، کاکل مشکیں ان کی کون سنوارے گا۔

جوں یہ کلام درد ناک حضرت خاتون قیامت کی زبان مبارک سے سنا جناب امیر نے غش کیا، جب ہوش میں آئے فرمانے لگے:

ہر گھڑی یہ چرخ دل پر داغ دیتا ھے نیا
ایک بہ ھوتا نہیں یہ اور دے ھے دوسرا

جو ذرا بھرنے پر آیا اس نے اس کو چھوڑ کر
اور یک داغ الم اس داغ پر دھرھے دیا

اور ارشاد کیا کہ اے جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ حامیٔ روز جزا ! ھنوز تمھارے بابا جان کے داغ فراق سے مجھے آرام نہ ھوا تھا کہ یہ ایک اور تمھاری مفارقت کا داغ جاں کاہ میرے دل داغ دار پر پڑا ۔

جناب خاتون قیامت علیہا السلام نے رو دیا اور فرمایا کہ یا علی علیکم السلام جس طرح اس مصیبت میں صبر کیا اسی طرح اس تعزیت میں بھی رشتۂ صبر و شکیبائی ھاتھ سے نہ دو ، کیوں کہ سوائے اس کے کچھ چارہ نہیں چاھتی ھوں کہ قدرے میرے پاس بیٹھو ۔ وقت باز پسیں قریب پہنچا ، وعدہ دار البقا منقطع ھوا ۔ اس بات کے سنتے ھی حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام آپ میں نہ رھے ، رو رو کر فرمانے لگے کہ اے گل گلشن محمدی و اے در دریائے احمدی ! اس طرح کا کلام جاں کاہ اپنی زبان مبارک سے مت کہو کہ جس کے سننے سے کلیجا منہ کو چلا آتا ھے ، دل و جگر ٹکڑے ٹکڑے ھوا جاتا ھے ۔

جناب فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا کہ یا علی علیکم السلام ! یہ وقت وصیت کا ھے نہ تعزیت کا ۔ سچ کہتی ھوں کہ پیالا زندگانی کا بھرا ، وعدہ پورا ھوا ۔

یہ بات سن کر حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ خیر الورا ! اگر کچھ وصیت کیا چاہتی ہو تو ارشاد کرو ۔ جناب سیدۃ النسا علیہا السلام کہنے لگیں کہ یا علی علیکم السلام چار وصیتیں ہیں : ایک یہ ہے کہ اگر کوئی تقصیر آپ کی خدمت فیض درجت میں مجھ سے ایسی ہوئی ہو کہ جس کے باعث حضور پرنور کی خاطر عاطر پر گرد ملال آ گئی ہو تو معاف کرو ، مجھے بخشو ۔ یہ بات سن کر حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے ''خدا کی قسم آج تک کوئی بات تم سے ایسی نہیں ہوئی کہ جس سے میرے دل کو رنج ہوا ہو ۔ تم ہمیشہ غم خوار رہی ہو ، نہ دل آزار ؛ ہر آن تابع داری کیا کی ہو ، نہ دل آزاری ۔ میں نے تم کو یار وفادار پایا ہے ، نہ اغیار جفاکار ۔ میں نے تم کو بہ طور گل کے دیکھا ہے ، نہ مانند خار ۔ یہ کیا فرماتی ہو ، دوسری وصیت بیان کرو ۔

جناب خاتون قیامت نے ارشاد کیا کہ یا علی علیکم السلام میرے فرزندوں بے کسوں کو پیار کرنا ، ان جگر گوشوں راحت جانوں کی طرف سے ایک آن غافل نہ ہونا ، دست شفقت آن کے سر پر دھرنا ، اگر کوئی بے ادبی ہووے تو معاف کرنا ۔ جناب امیر علیہ السلام نے کہا ، قبول کیا ؛ تیسری وصیت کیا ہے ، زبان مبارک سے ارشاد کرو ؟

حضرت فاطمہ زہرہ علیہا السلام نے التماس کیا کہ رات کے وقت مجھے دفن کرنا ، نامحرم کی آنکھ میرے جنازے پر نہ پڑنے دینا ۔ چوتھی وصیت یہ ہے کہ میری قبر پر آنے جانے

سے باز نہ رهنا ، کیوں کہ مجھے اس جناب پاک سے نہایت آنس ہے ؛ اب بہ ناچاری جدا ہوتی ہوں ، آہ کیا کہوں !

جوں یہ کلام درد آمیز اور یہ سخن مصیبت خیز جناب امیر علیہ السلام نے سنا ، رو دیا اور فرمایا کہ اے جگر گوشۂ محمدی و اے سرور سینۂ حبیب خدا! آپ نے جو فرمایا ، میں نے بہ سر و چشم قبول کیا۔ اب تم بھی میری وصیتیں اپنے گوش دل سے سنو ، قبول کرو ۔ جناب خاتون قیامت نے فرمایا کہ ارشاد کیجیے ، میں قبول کروں گی ، جان و دل سے مان لوں گی ۔

حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کہنے لگے کہ پہلی وصیت یہ ہے کہ اگر تمہاری خدمت عالی میں کچھ خطا ہوئی ہو عطا فرماؤ ۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ جس وقت اپنے بابا جان سے ملو ، مجھ فراق دیدہ ھجراں کشیدہ کی طرف سے آداب عرض کرو ۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ جناب فیض مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں میری شکایت نہ کرنا ، ایسے سخن نامناسب اپنی زبان مبارک پر مت لانا ۔

جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام نے یہ درد آمیز اور یہ سخن مصیبت خیز سن کر رو دیا اور فرمایا ”یا علی علیکم السلام، حقا کہ جس روز سے میں تمہاری خدمت مواصلت میں سرفراز ہوئی ہوں ، کوئی بات آج تک ایسی نہیں سنی اور نہ کوئی وجہ ایسی دیکھی کہ جس کے باعث غبار شکایت میرے دامن جان پر پڑا ہو ۔ خدا کی قسم ہر حال سخن دل داری و کلام مسرت و جواں مردی ، فتوت و رضا جوئی سنا کی ۔ گھڑی گھڑی

طاف و مہربانی ھی کرتے مشاھدہ کیا کی :

فرد

ے جوان مردی میں تو عین شجاعت کیا کہوں
وصف جتنے تجھ میں ھیں وے کس میں ھیں اے شہ سوار''

بعد اس کے جناب خاتون قیامت نے اپنی صاحب زادیوں والا صفاتوں کو بلوایا اور حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کے سپرد فرمایا ۔ جناب حسین علیہ السلام کو بھی ان کے حوالے کیا اور بہت کچھ ان کے واسطے بہ منت و زاری کہا ۔

جناب امیر علیہ السلام وھاں سے اٹھے ، حضرت امام حسن اور جناب حضرت امام حسین علیہما السلام کو اپنے ساتھ لے کر رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضۂ منورہ پر دعا مانگنے کی خاطر تشریف لے گئے اور جناب فاطمہ علیہا السلام نے اسما کو طلب فرمایا ، اپنی تجہیز و تکفین کی تیاری کے واسطے حکم کیا اور فرمایا کہ گھڑی آدھ گھڑی کے واسطے تو باھر جا ، مجھے تنہا چھوڑ کہ اپنے پروردگار سے مناجات کروں ، دعا مانگوں ۔

اسما باھر گئی اور ایک پٹ سے لگ رھی ۔ کیا سنتی ھے کہ جناب فاطمہ زھرا علیہا السلام بہ گریۂ و زاری اپنے خدائے کریم سے کہتی ھیں : ''خداوندا! واسطے بابا محمد مصطفیٰ و شوھر علی مرتضیٰ کے جو میرے فراق جاں کاہ سے قریب ھلاکت کے پہنچا ھے اور واسطے میرے بیٹوں بے کسوں کے جو میری خاطر پچھاڑیں کھاتے ھیں ، میرے باپ کی امت عاصی پر رحم کر ، ان کی خطا سے درگزر ۔''

اس بات کے سنتے ہی اسما آپ میں نہ رہی ، دروازہ کھول کر اندر چلی گئی اور کہنے لگی ”بی کیسی ہو ، بی بی کیسی ہو ؟“ کچھ نہ سنا ، سرھانے آئی اور روے مبارک سے چادر آلٹ دی ۔ دیکھا اس نے کہ روح مقدس روضۂ رضوان کی طرف پرواز کر گئی ۔ گھبرائی جناب خاتون قیامت کے قدم پر سر دھر کے رونے لگی اور یہ قطعہ زبان حال سے پڑھنے :

قطعہ

اے دُر دُرج نبوت گوھر عالم فروز
وے مہ برج ولایت زہرۂ روشن جبیں

پایۂ عفت ترا اے مریم ثانی نہ پوچھ
ھے بلندی میں پرے چرخ بریں سے بھی کہیں

اے نہال روضۂ عصمت ترا از روے قدر
سایۂ قد ھے پناہ قاصرات الطرف عین

اے چراغ دودمان مصطفیٰ وے فاطمہ
مادر حسنین و نور چشم خیر المرسلیں

ھے غضب یک بارگی یوں دنیا سے تو جاتی ھے
اب نہیں ھم کو ٹھکانا بے ترے ھرگز کہیں

اتنے میں حضرت امام حسن اور جناب امام حسین علیہما السلام تشریف لائے ، اپنی مادر مہربان کے قدم مبارک سے آنکھیں رگڑنے لگے اور رو رو کے یہ نوحہ زبان مبارک پر لائے :

نوحہ

کہنے لگے رو رو کے حسن بھائی حسینا
افسوس صد افسوس !
دنیا سے سفر کر گئی اب فاطمہ اماں
افسوس صد افسوس !

احمد کے گلے جا کے یہ جنت میں لگے گی ، کس شوق سے بھائی
ہم رہ گئے اس دہر میں یوں بے کس و تنہا
افسوس صد افسوس !

نانا کے الم سے ابھی فرصت نہ ملی تھی ، روتے تھے ہمیشہ
یہ داغ ہمیں دوسرا اب دے گئی اماں
افسوس صد افسوس !

اب کون ہمیں پالے گا اما کی طرح ہائے ، نت لطف و کرم سے
چھاتی سے لگا کون ہمیں دے گا دلاسا
افسوس صد افسوس !

شبیر و شبر کہہ کے پکارے گا ہمیں کون ، یوں از رہ شفقت
اور کون کھلاوے گا ہمیں پیار سے کھانا
افسوس صد افسوس !

اماں کی طرح عید میں نہلا کے ہمیں کون گودی میں بٹھا کر
کنگھی کرے گا زلف میں پہناوے گا کرتا
افسوس صد افسوس !

پھر لاش سے چادر کو اٹھا منہ ، سے ملا منہ ، با گریۂ و زاری
حسنین یہ کہنے لگے سر پیٹ کے اپنا
افسوس صد افسوس !

اب اٹھ کے ہمیں پیار کرو چھاتی لگا لو ، روتے ہیں بلک کر
اشک آنکھوں میں ، جاں لب پہ ہے پھٹتا ہے کلیجا
افسوس صد افسوس !

اور ایک طرف زینب و کلثوم اڑا خاک ، با حال پریشاں
کہتی تھیں غضب ہم سے یہ دیکھا نہیں جاتا
افسوس صد افسوس !

اور ایک طرف شیر خدا بادل مضطر، آنکھوں میں بھر آنسو
کہتے تھے کہ اوجڑ ہوا گھر آج نبی کا
افسوس صد افسوس !

سینے سے مٹا تھا نہ ابھی داغ پیمبر، اے وائے مصیبت
تم دے چلیں اے بی بی مجھے داغ یہ کیسا
افسوس صد افسوس !

پالے گا مرے بچوں کو اس درد سے اب کون ، اے بنت پیمبر
جس طور سے تم کرتی تھیں غم خواری ہمیشا
افسوس صد افسوس !

اے حیدری اب دل کو مرے تاب کہاں ہے، کیا تجھ کو بتاؤں
پھٹتا ہے جگر کیوں کہ لکھوں بین اب ان کا
افسوس صد افسوس !

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیسری مجلس حضرت مرتضیٰ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے شہید ہونے کی

قطعہ

اے محبو ! بیٹھے کیا ہو گریۂ و زاری کرو
جانشین مصطفیٰ پر آج خوں باری کرو
حیدری ہو ، واسطے حیدر کے سر کو پیٹ پیٹ
اُس ولی اللہ کی دل سے عزا داری کرو

اے مومنو ، آل عبا کے عزادارو ! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام کی بعضی بعضی فضیلات اور شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے ؛ سنو اور چشمۂ چشم سے دریاے سرشک بہاؤ :

نظم

دوستو رونے سوا ہرگز نہیں تدبیر ہاے
ہے حقیقت پر نہیں اب طاقت تحریر ہاے

دلدل شاہ نجف بے زیں پڑا ہے خاک پر
اور کہے ہے اس طرح وہ مرکب دل گیر ہائے

ذوالفقار حیدری دنیا میں ہے، ہے ہے غضب
اور نہیں وہ اس جہاں میں شاہ خیبر گیر ہائے

سر مؤذن پیٹ پیٹ اپنا کہے ہے کیا کروں
حامیٔ دیں کو نہیں اب طاقت تکبیر ہائے

کیوں نہیں تیغ شجاعت اب نکلتی میان سے
تیغ ہے، شاید نہیں وہ صاحب شمشیر ہائے

شیشۂ دل یہ جلا اس غم کی آتش سے نہ پوچھ
ماتم مشکل کشا کی کیا کہوں تاثیر ہائے

سرور دنیا و دیں کا غم نہیں کچھ سرسری
کون کہتا ہے نہیں ماتم یہ عالم گیر ہائے

دیکھ کر زخم علی عیسیٰ لگا کہنے دریغ
کچھ نہیں تیغ اجل کے زخم کی تدبیر ہائے

مطلع و مقطع نہیں رکھتا یہ ماتم اے قلم
مختصر کر اب نہیں یاں طاقت تحریر ہائے

حیدری میں کیا کہوں اس شاہ دیں کا ماجرا
کر نہیں سکتا کسی عنوان یہ تقریر ہائے

کہتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام حلم و تحمل اس قدر رکھتے تھے کہ جس کا بیان نہیں کیا جاتا؛ چناں چہ ایک روز اس جناب فیض مآب کا غلام پس پردہ کھڑا تھا، حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اسے پکار کر ارشاد کیا کہ اے غلام! جلد آ۔ وہ یہ

آواز سن کر نہ بولا اور نہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوا ۔ اسی طرح ستر بار اس شاہ دوجہاں اور اس امیر کون و مکاں نے پکار پکار کر بلایا ، پر وہ ہر گز نہ آیا ۔

آخرکار حضرت امیر علیہ السلام آپ اٹھے اور پس پردہ جا کر دیکھنے لگے ۔ اتنے میں نظر مبارک اس غلام پر پڑی ۔ یہ بات کہی کہ اے غلام ! تو نے میری آواز سنی تھی یا نہیں ؟ اس نے عرض کی ''یا علی علیہ السلام آپ نے جب پکارا ، میں نے تبھی سنا ، پر جواب نہ دیا ۔'' حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ''کس واسطے ؟'' کہنے لگا ''اس لیے کہ غصہ تیرا زیادہ ہووے اور جس قدر مجھ پر خفگی کرنی ہو اس سے دو چند کرے ، یہاں تک سزا دے کہ مار ڈالے ۔''

یہ بات سن کر اس تاج دار ہل اتیٰ اور اس صاحب ذوالفقار لافتا نے ارشاد کیا کہ اے غلام ! میں نے تجھے بہ نام مولا آزاد کیا اور تا دم زیست تیری خور و پوش کا عہد اپنے ذمے لیا ۔

صل علیٰ شجاعت و جرأت بھی ایسی تھی کہ جس کی تقریر خامۂ دوزبان سے کی نہیں جاتی ؛ جواں مردی ودلیری اس کی احاطۂ تحریر میں نہیں آتی ۔ چناں چہ دلاوری و بہادری اس کی یہاں تک مشہور و معروف ہے کہ جس کسی کو حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام نے اپنے دست قضاتواں سے مارا ، اس کی قوم اور برادری کے جواں مردوں ، روئیں تنوں نے اس بات کا فخر کیا کہ یہ جوان

جناب شاہ مرداں کی ضرب شمشیر سے مارا پڑا ہے ۔

بے شک و شبہ جس وقت حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام قدرے جھک کر اپنی ذوالفقار برق آثار میاں سے کھینچتے اور جس کے سر پر مارتے دو ہی ٹکڑے کر دیتے تھے ۔

بیت

ذوالفقار اس کی کہوں کیا جس جگہ کرتی تھی کار
ایک کو کرتی تھی دو اور دو کو کر دیتی تھی چار

سبحان اللہ! اس کے نام نامی کو روم و شام ، عرب و عجم ، ترکستان و ہندوستان کے بادشاہوں اور والا دودمانوں نے فتح و ظفر کی خاطر اپنی اپنی تلوار پر تبرکاً کھدوایا ۔

زہے قوت و جواں مردی ! خدا کی قسم ، جس سنگ خارا پر ہاتھ مارا ، پانچوں انگلیوں کا نشان کھدے ہوئے نگینے کی طرح معلوم ہونے لگا ۔

حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے اٹھارہ برس کے سن و سال میں قلعۂ خیبر فتح کیا ، کافروں بدنہادوں کے کوہ ثبات کو الٹ دیا ۔

سخاوت بھی اس والا تبار و حجت پروردگار کی اتنی تھی کہ کسی سائل کو اپنے در دولت سے خالی ہاتھ نہ جانے دیا ۔ سبحان اللہ ! آپ مزدوری کرتے اور اجرت اس کی خدائے کریم کی راہ فقیروں محتاجوں کو دے ڈالتے ۔

عبادت بھی ایسی تھی کہ دن کو روزے رکھتے ،

رات کو طاعت و بندگی میں بسر کرتے ، ہر شب ہزار رکعت نماز پڑھتے ؛ یہاں تک سجدے کیے کہ پیشانی مبارک میں گھٹے پڑ گئے ۔

نقل ہے کہ ایک دن حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام اپنے دولت خانۂ عالی کے واسطے بعضی بعضی چیزیں خرید کیے اور دوش مبارک پر دھرے ہوئے چلے جاتے تھے ، اثناء راہ میں ایک خادم ظیہ نے عرض کی کہ یا علی ابن ابی طالب! یہ بار میرے حوالے کرو کہ میں اپنے سر و چشم سے خانۂ امامت و کرامت میں پہنچا آؤں ۔

یہ بات سن کر حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے شخص ! یہ کام صاحب عیال کا ہے ۔ لازم ہے کہ وہ آپ اپنے سر پر دھر کر لے جاوے ، اپنے بال بچوں کی خاطر آپ اس محنت و مشقت میں پڑے ۔ اس نے عرض کی کہ اے سرور دوسرا و اے حامئی روز جزا ! تم خلیفۂ جہاں ہو اور امام کون و مکاں ، یہ کام آپ کے لائق نہیں ۔ جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے بوجھ سے کسی صاحب کمال کا کمال نہیں جاتا جس نے اپنے بال بچوں کے واسطے اس کا اٹھانا اختیار کیا ۔

درد و غم کی خبر کرنے والوں ، رنج و الم کے بیان کرنے ھاروں نے اس حکایت جگرسوز اور اس روایت دل دوزکو یوں بیان کیا ہے کہ شہر رمضان المبارک کی آنیسویں تاریخ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے تمام رات اپنے تئیں عبادت الٰہی میں مشغول رکھا ؛ جب صبح ہوئی ، سب لڑکے بالے حضور پرنور میں طلب فرمائے ؛

اپنے پاس بٹھا کر نصیحتیں اور وصیتیں کرنے لگے۔

اس کلام درد آمیز و مصیبت خیز کے سننے کی تاب و طاقت کسی میں نہ رہی۔ حضرت امام حسن اور جناب امام(حسین)علیہما السلام نے بہ گریہ و زاری عرض کی، ”بابا جان! اس طرح کی باتیں آج خلاف معمول اپنی زبان مبارک سے کیوں فرماتے ہو؟ آیا اس میں کیا حکمت ہے؟ ارشاد کرو۔ یہ بات سن کر حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے رو دیا اور ان کو گلے لگا کر فرمایا کہ اے جان بابا! و اے روح روان بابا! یہ ماجرا صبح کو ظاہر ہوجاوے گا، تم پر پوشیدہ نہ رہے گا۔

بعد اس کے وہاں سے اٹھے، طاعت پروردگار میں مشغول ہوئے۔ ہے ہے! گھڑی گھڑی انگنائی میں تشریف لاتے تھے، آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے اور فرماتے تھے کہ سچ کہا تو نے اے رسول خدا اور راست فرمایا تو نے اے حبیب کبریا!

یہ بات سن کر حضرت زینب علیہا السلام نے کچھ جرأت کرکے عرض کی کہ بابا جان! حضور پر نور کے ہنسنے کا باعث کیا ہے؟ اضطرابی و اضطراری کا موجب کیا؟ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ فاطمہ زہرا! قریب ہے کہ تیرے نانا جان رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ملاقات کروں، شرف ملازمت سے مشرف ہوں؛ خوشی و خرمی اس واسطے ہے، اضطرابی و بے قراری ہے حساب روز شمار کے لیے۔

اس عرصے میں سفیدہ صبح کا ظاہر ہوا ، جناب حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام نے باہر جانے کا ارادہ کیا ۔

راوی یوں لکھتا ہے کہ اس وقت جتنی مرغابیاں دولت خانۂ امامت و کرامت میں تھیں ، سب کی سب دوڑیں اور دامن مبارک پکڑ کر شور و غل کرنے لگیں اور اپنی طرف کھینچنے ۔ یہ بات نہ چاہتی تھیں کہ جناب امیر علیہ السلام دولت خانۂ امامت سے باہر جاویں یا کچھ صدمہ اٹھاویں ۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت زینب علیہا السلام نے چاہا کہ آن بے زبانوں کو حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کے دامن مبارک سے جدا کریں ، راہ نہ روکنے دیں ، کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ اے زینب دل خستۂ و ناچار و اے راحت جان حیدر کرار ! ان کو مت منع کرو ، چھوڑ دو ۔ تم نہیں جانتیں ، یہ مرغابیاں میری ماتم دار ہیں اور نوحہ کرنے والیاں ۔ قریب ہے کہ ۔ وارث ہووہں ، میرے غم والم میں اپنے تئیں ھلاک کریں ۔

اتنی بات کہہ کر مسجد شریف میں تشریف لائے ، اذان دینے لگے ۔ اے مومنو ! جناب امیر علیہ السلام کے ماتم دارو ! یقیں کرو کہ اس روز حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام نے اس طرح آواز بلند سے اذان دی کہ تمام اہل کوفہ ۔ ‌ نی ۔

راوی یوں کہتا ہے کہ قطامۂ ملعونہ جس پر ابن ملجم

عاشق ہوا تھا ، اذان کے سنتے ہی اٹھی اور ابن ملجم کے پاس جا کر کہنے لگی کہ اے غافل! بیدار ہو ، عاشقوں کو سونا حرام ہے ، جلد جا کہ اس وقت حضرت امیرالمومنین مسجد میں تشریف لے گئے ہیں - چاہتی ہوں کہ تو یہ وقت ہاتھ سے نہ کھووے ، حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کو قتل کرے -

اس بات کو سنتے ہی ابن ملجم اٹھ کھڑا ہوا ، بے اختیار دوڑا ہوا بات کرتے مسجد میں در آیا اور وہاں کے خفتگانوں میں مل کر جھوٹ موٹ سو رہا -

جس وقت حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام اذان سے فارغ ہوئے ، تسبیح پڑھتے ہوئے مسجد کے گرد پھرنے لگے اور سوتے ہوؤں کو نماز صبح کے ادا کرنے کی خاطر جگانے اور زبان مبارک سے فرمانے ''السلام علیکم -'' لیکن جس وقت ابن ملجم ملعون کے سرہانے پہنچے ، دیکھا کہ وہ کافر خدا ناترس سوتا ہے - ارشاد کیا '' اٹھ کھڑا ہو ، وضو کر نماز پڑھ - یہ کہتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھے ، محراب مسجد کے پاس پہنچ کر صبح کی نماز میں مشغول ہوئے -

اتنے میں ابن ملجم ملعون اٹھا ، تیغ زہر آلود کھینچے ہوئے بہ سرعت تمام جس جگہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نماز پڑھتے تھے ، جا پہنچا اور حضرت امیر علیہ السلام کے عقب شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا ہو رہا -

سبحان اللہ ! جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام کی

عادت شریف ہمیشہ سے یہ تھی کہ ہر ایک رکوع و سجدے میں طول کرتے ، بڑی دیر لگاتے۔ جوں پہلی رکعت ادا کی اور سجدے میں گردن جھکائی ، چاہتے تھے کہ سر مبارک اٹھاویں ۔ واویلا ! اتنے میں اس ملعون ، خدا ناترس نے وہ تیغ زہرآلود اس زور سے اس سید انس و جاں و مقتدائے عالمیان کے فرق مبارک پر لگائی کہ جس کی بات کچھ کہی نہیں جاتی ۔

ہے ہے ! اتفاقاً وہ شمشیر آب دار حضرت امیرالومنین علی علیہ السلام کے اس زخم پر پڑی جو روز خندق میں عمر ابن عبدود کے ہاتھ سے لگا تھا ، اس لیے سر مبارک اس حضرت کا جبین انور تلک دوپارہ ہو گیا ، لیکن حضرت ذمبرالمومنین علی علیہ السلام کی زبان درخشاں سے سوائے اکرخدا کے اور کچھ نہ نکلا ۔

بیت

لگی جو زہر بھری سر پہ شاہ کے شمشیر
خدا کے گھر میں تڑپنے لگا خدا کا شیر

ہے ہے ! اس شمشیر کے لگتے ہی غش کھایا ، جب ہوش میں آئے ، ارشاد کیا :

"بسم اللہ و باللہ و علی ملة رسول اللہ فزت برب الکعبة ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ یا معشرالناس قتلنی ابن الیھودیة المرادی"

یعنی خدا کے نام سے اور اس کی ذات سے یاری چاہتا ہوں اوپر دین رسول کے ۔ رستگار ہوا درجۂ شہادت پر ۔ قسم

پروردگار کعبہ کی ! یہ وہ چیز ہے کہ وعدہ کیا تھا خدا و رسول خدا نے ۔ سچ کہا تھا اُس نے اور اُس کے رسول پاک نے ۔ اے گروہ مردمان ! قتل کیا مجھ کو یہودیہ کے بیٹے مرادی نے ، اُسے پکڑو ۔

ہے ہے ! حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام محراب مسجد میں سرجھکائے پڑے تھے، خون پاک رخ انور سے پونچھتے تھے اور چاہتے تھے کہ سر مبارک بار دیگر اٹھاویں ، سجدۂ خالق ادا کریں ، لیکن مارے ضعف کے نہ ہو سکتا تھا ، اور اگر اٹھاتے بھی تھے تو سر مبارک پھر زمین ہی پر جھک جاتا تھا ۔ اور خون مبارک اس قدر جاری ہوا کہ جس کے مشاہدہ کرنے سے سطح زمین لرزنے لگا اور چرخ بریں تھرتھرانے ۔

ملائکوں کا نالہ و فغاں عرش اعلیٰ سے گزرا اور ایک آندھی ایسی اٹھی کہ تمام جہان تیرۂ و تار ہوگیا اور حضرت جبرئیل امین زیر فلک و بالائے زمین رو رو کر کہتے تھے کہ ہے ہے ! آج ارکان ہدایت خاک میں ملا ۔ تقویٰ و عبادت کا نشان ایک قلم مٹ گیا کہ شیرخدا و وصی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم شہید ہوا ۔ ہے ہے ! سرور اوصیا ضرب شمشیر سے مارا پڑا ۔ لیکن جس وقت حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے قتل ہونے کی خبر وحشت اثر اہل کوفہ نے سنی ، ہر ایک نے اپنی اپنی حالت تباہ کی ۔ یہاں تک کہ سر و پا برہنہ مسجد کی طرف دوڑے ۔

اثنائے راہ میں ایک شخص نے دیکھا کہ ابن ملجم

ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے بھاگا جاتا ہے ؛ ڈانٹ کر پوچھا کہ اے کافر بدکار و اے ناھنجار روزگار! حضرت امیرالمومنین صاحب ذوالفقار کو تو نے شہید کیا ؟ چاھتا تھا کہ منکر ہووے ،۔ اختیار زبان سے نکل گیا کہ کیا کروں ، یہ بڑی خطا ہوئی ۔

اس بات کے سنتے ہی اُس شخص دین دار نے اور لوگوں سے کہا کہ وہ سب آپس میں مل جل کر اُس کافر بد کیش کو باندھے ہوئے مسجد میں لے آئے ۔

ھے ھے ! جس وقت یہ خبر وحشت اثر دولت خانۂ ولایت و دودمان رسالت میں پہنچی کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کو شہید کیا ، جناب زینب خاتون و ام کلثوم علیہا السلام نے فرق مبارک سے چادر پھینک دی ، سر پیٹ پیٹ کر گریبان پھاڑ ڈالا ، بہ آہ و زاری کہا ”بابا جان ، بابا جان! یہ کیا ہوا تم کو؟ کس بد بخت نے شہید کیا تم کو ۔“ اور حضرت امام حسن و جناب امام حسین علیہما السلام نے بھی عمامے سر مبارک سے زمین پر پٹک دیے ، گریبان مثل گل چاک کئے ، بعد ایک دم کے آہ و واویلا کرتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے ۔

ھے ھے ! دیکھا کہ حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام در مسجد میں زخمی پڑے ہیں اور خون پاک بہا جاتا ہے ۔ بے اختیار ہوے ، حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے قدم مبارک پر گر پڑے ، کف پا اپنی چشم زار سے ملنے لگے اور رو رو کر پچھاڑیں کھانے ۔

جس وقت حضرت امام حسن و جناب امام حسین علیہا السلام کے رونے پیٹنے کی آواز جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام نے سنی ، آنکھیں کھول دیں اور متبسم ہو کر ارشاد کیا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ فاطمہ زہرا! آج سے تمہارے پدر بزرگوار نے اس دنیائے دوں کے رنج و الم سے رہائی پائی ۔ یقین ہے کہ اب کوئی مصیبت اس دل ریش پر نہ پڑے گی ۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسن و جناب امام حسین علیہا السلام رونے لگے ، اور حضرت امیرالمومنین علی علیہ‌السلام کو ایک کمبل پر لٹا دیا ۔ بعد اس کے ایک سرا اس کا حضرت امام حسن علیہ السلام نے تھاما اور ایک کونا جناب امام حسین علیہ السلام نے پکڑ لیا ۔ اس طرح حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کو اپنے کاندھوں پر لیے ہوئے سر و پا برہنہ مسجد سے باہر نکلے ۔

جب دولت خانۂ امامت میں داخل ہوئے جناب فاطمہ علیہا السلام کے تمام بال بچے آہ و فغاں کرنے لگے اور پچھاڑیں کھا کھا کر جانیں کھوتے ۔ بعد اس کے عمر بن نعمان جراح کو بلوایا ؛ جوں اس نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کا زخم جاں ستاں دیکھا ، عمامہ سر سے پھینک دیا ، گریبان پھاڑ ڈالا ، سطح خاک پر گر پڑا ، رو رو کہنے لگا :

فرد

یہ زہر بھری تیغ کا ہے زخم کہوں کیا
مرہم کرے اچھا اسے یہ ہو نہیں سکتا

اور ایک روایت یوں ھے کہ جراح کے آنے سے آگے حضرت اُم کلثوم وھاں تشریف لے گئیں جہاں وہ ملعون ابن ماجم علیہ اللعنت قید تھا ۔ اس کو دیکھ کر فرمانے لگیں کہ اے ستم گار بے درد و اے ناھنجار نامرد ! تو نے اس حامیٔ دوجہاں و پیشوائے انس و جاں پر ھاتھ اٹھایا اور اھل بیت رسالت کو آٹھ آٹھ آنسو رلایا ۔ آخر تو بھی گرفتار ھوا نہ ۔ خدا جانے اب کیسی سیاست شدید سے مارا جاوے ، تیرے آغاز کا انجام کیا ھووے ، اور حضرت امیر علیہ السلام کو اس زخم سے تو کچھ اندیشہ نہیں ، خدا و رسول خدا کے فضل و کرم سے اچھے ھو جاویں گے ۔"

یہ بات سن کر وہ ملعون ستم گار اور وہ ولدالحرام جفار کار کہنے لگا کہ اے نور دیدۂ فاطمہ زھرا و اے جگر گوشۂ علی مرتضیٰ ! ایسی بات نہ فرماؤ ، اپنے گھر جاؤ ؛ خدا کی قسم ! وہ زخم تیغ زھر آلود کا ھے ، قیامت تلک یہ نہ ھوگا ۔

اور جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کافر بے دین و بد آئین کو قید رکھو ، جب تلک میں جیوں ، اور جو کھاؤں وھی کھانا اس ملعون کو بھی کھلانا ۔ اگر مجھے صحت ھوئی تو میرے جی میں جو آوے گا اُس کے حق میں کر گزروں گا اور اگر مر گیا تو تم بھی ایک ھی ضرب اُسے مارنا ، دوسرا وار نہ چلانا ، کیوں کہ اُس نے بھی مجھے ایک ھی ھاتھ مارا ھے ۔

اتنی بات کہہ کر حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے غش کھایا ۔ جب ھوش ھوا ، لڑکے بالوں کو گلے لگایا

اور رو دیا ۔

ہے ہے ! جب اکیسویں شب آئی ، اپنے سب فرزندوں ارجمندوں کو جمع کر کے ارشاد کیا کہ میں تم سے رخصت ہوتا ہوں ، تم بھی مجھ سے وداع ہو ۔ میں نے تم کو اپنے خدائے کریم کو سونپا ، تم بھی میرے حق میں دعائے خیر کرو ۔

اتنی بات کہہ کر جناب امام حسن علیہ السلام سے فرمانے لگے کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ فاطمہ زہرا ! جس وقت میں اس دنیائے دوں سے کوچ کروں ، تم مجھے نہلا دھلا کر کفن دینا اور کافور بہشتی جو میرے حصے کا دھرا ہے ، اُسے حنوط کرنا اور جب میرا جنازہ تیار ہووے اُسے پائنتی سے اٹھانا ، کسی کو سرھانے کی طرف نہ جانے دینا کیوں کہ آگے سے حضرت جبرئیل امین اُٹھاویں گے ۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنا کہ جس جگہ میرا جنازہ ٹھہرے وہیں رکھ دینا ۔ اُسی جگہ تم ایک لحد کھدی اور قبر بنی ہوئی دیکھو گے کہ جسے حضرت نوح نبی علیٰ نبینا و علیہ السلام نے میرے واسطے بنوا کھدوا رکھی ہے ۔

اتنے میں حضرت زینب خاتون علیہا السلام نے رو رو کر عرض کی ”بابا جان! جس وقت آپ بہشت بریں میں تشریف لےجاویں ، میری طرف سے میری اماں جان کی خدمت فیض درجت میں آداب و بندگی گزارش کرنا اور کہنا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ خاتم الانبیا ! مجھے تیرے فراق جاں کاہ کی آتش سوزاں نے جلا دیا ،

غم دوری حد سے زیادہ ہو گیا ۔

اتنے میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی پیشانی نورانی پسینے سے بھر آئی ، حالت دگرگوں ہو گئی ؛ ذکر خدا میں مشغول ہوئے ، قبلہ رو ہو کر پاؤں پھیلا دیے ۔ سینے پر ہاتھ رکھے اور قبلے کی طرف متوجہ ہوئے ، زبان مبارک سے فرمانے لگے ''اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد الرسول اللہ ۔'' ہے ہے ! وہیں بلبل روح قالب عنصری سے نکل کر روضۂ رضوان کی طرف پرواز کر گئی ۔

اے یارو ! جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام کے ہوا خواہو ، و اے اہل بیت رسالت کے دوست دارو ! اس وقت جتنے لوگ اہل بیت رسالت میں تھے ، بلکہ تمام اپنے بیگانے سر پر خاک ڈال کر رونے لگے اور پچھاڑیں کھا کھا کر ہلاک ہوئے ۔ اور بی بی زینب نے یہ نوحۂ جاں کاہ اپنی زبان مبارک سے ادا کیا :

نوحہ

کہتی تھی زینب با دل مضطر ، ہے ہے بابا ! ہے ہے بابا !
تیغ لگی یہ کیسی سر پر ، ہے ہے بابا ! ہے ہے بابا !

سر جو ترا دو ٹکڑے ہوا ہے خون میں چہرہ ڈوب رہا ہے
حال ترا یہ کس نے کیا ہے ، ہے ہے بابا ! ہے ہے بابا !

مجھ کو نہ سمجھے نائب احمد ، ظلم کیا یہ کیسا بے حد
آج کہاں ہے نانا محمد ، ہے ہے بابا ! ہے ہے بابا !

غم سے اماں کے آٹھ پہر ہم ، رکھتے تھے اپنی چشم کو پرنم
ہو گئے مرنے سے تیرے بے دم ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

کس کو مصیبت اپنی سناویں ، کس کو یہ اپنا حال دکھاویں
پیٹتے سر ہم کیدھر جاویں ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

ایک طرف کلثوم کہے تھی ، ھائے قیامت ہو گئی کیسی
آٹھ گئی رونق دین نبی کی ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

مہر عرب اور ماہ عجم تھا ، تجھ سے تھا روشن یثرب و بطحا
ھائے ھوا اندھیر یہ کیسا ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

آج مدینہ ہو گیا ویراں ، آٹھ گیا تجھ سا دین کا سلطاں
ہو گئے ھیں ہم بے سرو ساماں ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

ایک طرف شبیر و شبر ، کہتے تھے رو رو خاک اڑا کر
دشمنوں میں ہم ہوگئے بے پر ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

آہ کہوں کیا حیدری آگے ، کہتے تھے وہ جس طرح سے رو کے
یعنی نبی کے دونوں نواسے ، ھے ھے بابا ! ھے ھے بابا !

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوتھی مجلس حضرت امام حسن علیه السلام کے شہید ہونے اور اس دنیاے دوں سے سفر کرنے کی

قطعه

اے چشم اشک بار نه رونے میں کر کمی
جوں مردمک لباس کر اپنا تو ماتمی

اس بزم میں دے بھر خدا خون دل بہا
ٹک دیکھ یاں ہے فاطمه اهل عزا بنی

اے یارو ، آل عبا کی بزم کے بیٹھنے والو و اے جناب حسین کی محفل عزا کے سنوارنے هارو ! یه شب وہ شب ہے که جس میں حضرت امام حسن علیه السلام کی شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ روؤ اور لخت جگر چشم تر سے بہاؤ ۔

نظم

امامت کے لیے حضرت حسن تھا
که وہ جان نبی پاکیزہ تن تھا

سراسر حُسن و خلق و علم تھا وہ
سراسر لطف و جود و حلم تھا وہ

شب اس کی زلف عنبر بو کے آگے
سدا رہتی تھی اپنا سر جھکائے

رخ انور کی اس کے کچھ نہ پوچھو
ضیا بخشے تھا وہ ہر آن خور کو

وہ اس کے ہونٹ تھے جوں حوض کوثر
سدا تھے چومتے جن کو پیمبر

بھریں وہ زہر سے ہے ہے عزیزو
جگر ٹکڑے ہو اس کا کچھ نہ پوچھو

جگر سم سے ہو اس کا پارہ پارہ
بہا اس غم سے خوں ہو سنگ خارہ

لکھے کیا حیدری یہ حال غم ناک
ہوا خامے کا اس غم سے جگر چاک

کتاب سنن ترمذی میں برقع نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی یوں لکھا ہے، کہ ایک دن حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جناب امام حسن علیہ السلام کو اپنے دوش مبارک پر چڑھائے تھے کہ کسی شخص نے آ کر التماس کیا کہ یا حضرت! امام حسن علیہ السلام اچھا گھوڑا پایا جس پر سوار ہو۔ یہ بات سن کر حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زبان معجز بیان سے فرمایا کہ اے شخص! اس مرکب کو بھی بہتر سے بہتر راکب ملا۔

کتاب شواهد میں یوں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جناب امام حسن علیہ السلام کو اپنی گود میں لیے ہوئے منبر پر جا بیٹھے ۔ کبھی لوگوں کو وصیت کرتے تھے اور کبھی حضرت امام حسن علیہ السلام کا منہ چوم چوم کر فرماتے تھے کہ یہ میرا فرزند جگر بند سردار ہے اور سید ۔ قریب ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس نور نظر و لخت جگر کو مسلمانوں کے دو گروہ میں صلاح کرنے کا سبب کرے باعث ٹھہراوے ۔

فضل ابن طوسی نے کتاب اعلام انوری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی یوں لکھا ہے کہ میں ایک روز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت فیض درجت میں حاضر تھا ۔ اتنے میں جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تشریف لائیں ۔ حضرت رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس حالت بے قراری میں مشاہدہ کر کے رو دیا اور فرمایا کہ اے جان پدر و اے روح روان پدر ! اس قدر مضطرب و پریشان ہونے کا سبب کیا ہے ؟ عرض کی انہوں نے کہ اے سرور کائنات و اے مفخر موجودات بڑی دیر سے حسن اور حسین باہر نکل گئے ہیں ، اب تلک گھر میں نہیں آئے ۔ اس وقت جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام خانۂ امت میں تشریف نہیں رکھتے کہ انہیں بھیجوں ، اور کوئی دوسرا بھی نظر نہیں آتا کہ جس سے کہوں کہ جاوے اور ان کو ڈھونڈ لاوے ۔ ہے ہے ! یہ نہیں جانتی کہ وہ کہاں گئے ۔

یہ بات سن کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے جان بابا و اے گل بستان بابا ! اس قدر بے قرار مت ہو ، رو رو کر اپنی جان نہ کھو ۔ جس خدائے کریم نے انھیں پیدا کیا ہے ، وہی ان کا حافظ نگہبان ہے ۔ یہ بات کہہ کر دست بہ دعا ہوئے اور فرمانے لگے ''خداوندا ! اگر وہ جنگل میں ہیں ، اُن سے خبردار رہ اور اگر دریا میں ہیں صحیح و سلامت کنارے پر پہنچا ۔''

اتنے میں حضرت جبرئیل امین آسمان سے روئے زمین پر آئے اور التماس کرنے لگے کہ یا رسول خدا ! اندیشہ نہ کرو ، مطلق غم نہ کھاؤ ۔ وہ دونوں صاحب زادے اس دنیا کے سردار ہیں اور عاقبت کے قافلہ سالار ۔ باپ اُن کا شاہنشاہ ہے ، تیری امت عاصی کا پشت پناہ ۔ اس وقت وہ دونوں صاحب زادے خطیرہ بنی نجار میں ہیں اور حق سبحانہ تعالیٰ نے دو فرشتے اُن کی محافظت و نگہبانی کے واسطے تعین فرمائے ہیں ۔

مثنوی

ہے یہ اہل جہان پہ روشن
گوہر پاک ہیں حسین و حسن

ہے وہ اک اختر درخشندہ
ہے وہ اک در ز بسکہ تابندہ

ہے وہ اک نور دیدۂ نبوی
ہے وہ اک شمع جان مرتضوی

مہ سے روشن کہیں ہے رخ اس کا
کب شب قدر نے یہ منہ دیکھا

ہے وہ اک ماہ آسمان کمال
ہے وہ اک سرو بوستان جمال

حیدری رکھ بہ دل تو آن سے ولا
ہیں وہ دونوں شفیع روز جزا

سچ جاننا چاہیے کہ حضرت امام حسن اور جناب امام حسین علیہما السلام کے درمیان ایک سرمو فرق نہیں۔ بے شک و شبہ وہ دونوں بھائی برگزیدۂ خدا و راحت‌افزاے دل غم‌گین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ یہ عین ایمان داری و نیک نہادی ہے جو آن دونوں صاحب زادوں والا دودمانوں میں کسی طرح کی جدائی نہ سمجھے، ہرگز کم و بیش خیال نہ کرے، ایک ہی جانے۔

درد و غم کے بھرے ہوئے قصوں کے کہنے والوں، رنج والم سے ملی ہوئی حکایتوں کے لکھنے هاروں نے اس احوال جاں گزا اور اس ماجراے حیرت افزا کو صفحۂ روزگار پر قلم دو زبان سے یوں رقم کیا ہے کہ شہر صفر کی ستائیسویں شب جمعہ کے روز حضرت امام حسن علیہ السلام اپنی بہنوں، پردۂ عصمت و عفت کی زینت دینے والیوں، یعنی جناب زینب و حضرت ام‌کلثوم علیہما السلام کے دولت خانۂ کرامت میں رونق افزا رہے۔ اور مروان اسی فکر و تردد میں اپنے سر پر خاک مذلت چھانتا رہتا تھا کہ کسی طرح اس گل گلشن نبوی اور اس در دریائے

مرتضوی کو شہید کرے ، چراغ خانۂ محمد مصطفیٰ و
شمعِ دودمان اولیا بجھا دیوے۔

آخر کار ایک دن ایسونیۂ ملعونہ ، کسی رومی کی
لونڈی کو جو مدینۂ منورہ میں دلالی کیا کرتی تھی ، ہر
ایک گھر میں آتی جاتی تھی ، بلوا کر کہنے لگا کہ اے
ایسونیہ ! تو حضرت امام حسن علیہ السلام کے دولت خانۂ
امامت و کرامت میں بھی آتی جاتی ہے ، اُن کی بی بی جعدہ
بنت اشعس سے بات چیت کر سکتی ہے ؟ اُس راندۂ درگہ
الٰہی اور اس مردودۂ جناب رسالت پناہی نے کہا ”بخوبی
اُس سے ملتی جلتی ہوں ۔“

اے یارو ! وہ جعدہ مدینۂ منورہ میں اسما کے نام سے
مشہور تھی ۔ جوں یہ بات ایسونیہ کی زبانی مروان نے
سنی ، مارے خوشی کے اپنے پیراھن ناپاک سے نکل چلا ،
پھولا نہ سمایا اور کہنے لگا کہ اے ایسونیہ ! میں تجھ سے
اپنا راز دل کہتا ہوں ، اگر تو کسی کے سامنے نہ کہے
اور اُس کے موافق کام کرے تو ہزار دینار اور پچاس
جوڑے اچھے خاصے تجھے دوں گا ، بلکہ اس سے بھی زیادہ
سلوک کر رہوں گا ؛ بالفعل یہ سو دینار اس کے
بیعانے میں لے ۔

وہ ملعونہ اس قدر زر دیکھ کر لوٹ گئی اور کہنے
لگی ”خدا کی قسم ! میں اپنی جان تلک دوں گی ، پر یہ
بات کسی سے نہ کہوں گی ۔“ یہ بات سن کر اس کافر
نے کہا کہ اے ایسونیہ ! تو جناب امام حسن علیہ السلام
کے دولت خانۂ امامت میں جاوے اور دل اسما کا اس نور دیدۂ

محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ سے پھیر دیوے
اور یہ بات کہے کہ بی بی تیرے حسن و جمال کا شہرہ
یزید پلید سن کر عاشق و شیفتہ ہوا ہے ، اگر اس کی بی بی
بنے تو تمام عراق اپنے دست تصرف میں لاوے ، روئے زمین
کی شہزادی کہلاوے ۔ اس بات پر اسما راضی ہووے
تو یہ زہر ہلاہل اس کو دیجیو اور کہیو کہ بی بی اس زہر
کو پانی یا گلاب میں ملا کر جناب امام حسن علیہ السلام
کو پلا ، یزید پلید کا گل وصال اپنے ہاتھ میں لا ۔

ایسونیہ وہ زہر قاتل وہاں سے لے کر حضرت امام حسن
علیہ السلام کے گھر گئی اور اسما کو تن تنہا دیکھ کر
ادھر آدھر کی باتیں کرنے لگی ۔ یہاں تلک چاپلوسی کی
کہ فتنہ و فساد کی آتش سوزاں بھڑکائی ۔ وہ شیشی
زہر ہلاہل کی اسما کے حوالے کی ۔

ہے ہے ! اس کم بخت نے ملک و مال کے لالچ سے
یزید پلید کی دوستی کا جام زہر مار کیا ، جناب امام حسن
علیہ السلام کی پچھلی صحبتوں کا حرف ایک قلم اپنے دل کی
تختی سے مٹا دیا :

بیت

وفا نہ ڈھونڈھے کوئی عورتوں سے پیر و جواں
زمین شور سے نکلے ہے کب گل ریحاں

آخر کار ایک دن اسما نے وہ زہر ہلاہل اس جگر گوشۂ
محمد مصطفیٰ اور اس سرور سینۂ علی مرتضیٰ کو شہد اور
پانی میں گھول کر کسی بہانے پلا دیا ۔ اس وقت یہ مضمون

حضرت امام حسن علیہ السلام کی پیشانیٔ نورانی سے جلوہ گر ہوا :

مثنوی

ہے یہ جام زہر بس پی جا دلا
اس کی مت بیشی کمی خاطر میں لا

گر نہیں شربت تو جام زہر پی
ہے عدم شادی تو غم سے ہو خوشی

حاصل کلام اس شہد کے پیتے ہی حضرت امام حسن علیہ السلام بیمار ہوئے۔ ساری رات مارے درد کے ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپا کیے۔ جب صبح ہوئی، جناب رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے روضۂ منورہ پر تشریف لے گئے اور مزار مبارک سے لپٹ کر کہنے لگے :

فرد

ہے آستان تیرا دار الشفائے رحمت
اے شافع دوعالم مجھ کو شفا عطا کر

خدا و رسول کے فضل و کرم سے بات کہتے اچھے ہوگئے، دولت خانۂ امامت و کرامت میں تشریف لائے، اسما کی طرف سے بدگمان ہوئے، یہاں تلک کہ پھر اس کے گھر کبھی نہ گئے، نہ کبھی کچھ چیز اس کے ہاتھ سے کھائی، نہ کچھ بات کی۔ کبھی حضرت قاسم علیہ السلام کی مادر مہربان کے یہاں سے کچھ آتا، شام کے وقت کھاتے، کبھی کچھ جناب امام حسین علیہ السلام کے یہاں سے صبح کو آتا، نوش جان فرماتے۔

اتفاقاً ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام پھر اسما کے گھر تشریف لے گئے ۔ عرض کی اُس نے کہ یا امام حسن علیہ السلام! مدینۂ منورہ کے باغوں سے کتنے خرمے تر و تازہ نہایت اچھے میٹھے آئے ہیں ، اگر حکم ہو تو لے آؤں ، تھوڑے بہت تناول فرمائیں ، لونڈی کو سرفراز کریں ۔

اس مقام میں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام تازے خرموں سے نہایت رغبت رکھتے تھے ، ارشاد کیا کہ لے آ ۔ اسما گھر میں گئی اور خرموں کی تشتری جس میں کتنے زہر سے بھرے تھے اور کتنے سادے رکھے تھے ، لے آئی ۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے روبرو دھری ۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اسما ! تو بھی اس میں شریک ہو ۔ وہ سادے اور زہر بھرے ہوئے پہچانتی تھی ، بہ موجب فرمانے کے جا بیٹھی ۔ سادے سادے چن چن کھانے لگی اور حضرت امام حسن علیہ السلام دونوں کھانے لگے ۔ ہے ہے ! سات ہی خرمے کھائے تھے کہ جی متلایا ، رکابی سے ہاتھ اٹھا لیا ۔

وہاں سے اُٹھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے گھر تشریف لے گئے ۔ اُسی طرح مارے درد کے تمام رات فریاد و فغاں کرتے رہے ۔ جب صبح ہوئی ، پھر حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے روضۂ منورہ میں تشریف لے گئے اور یہ بیت پڑھنے لگے :

بیت

درد دل سے تیرے در پر اب تڑپتا ہوں شہا !
واسطے اللہ کے کر رحم دے جلدی شفا

وونہیں اچھے ہوگئے ۔ گھر آ کر اما سے یہ بات کہی کہ اے جعدہ! کل کے خرموں نے مجھے بہت دکھ دیا ، کیا جانیں آن میں کیا ملا تھا ۔ اس بات کے سنتے ہی وہ کچھ منہ بنا کر کہنے لگی کہ یا امام حسن علیہ السلام! میں نے بہ احتیاط وہ رکابی ڈھانپ رکھی تھی ، سوائے اس کے یہ لونڈی بھی کھانے میں شریک تھی ۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت امام حسن علیہ السلام برہم ہوئے ۔ وہاں سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور فرمانے لگے :

نظم

کچھ عجب رکھتا ہوں میں اپنا زمانہ تنگ و تار
ہو گیا بالکل مرا اک بار برہم کاروبار

ہوں پڑا گرداب حیرت میں نہ پوچھو دوستو
باوجود اس کے جہاں سے کچھ نہیں اب مجھ کو کار

بعد اس کے اپنے بھائیوں عزیزوں کو بلوایا اور ارشاد کیا کہ دو برس سے میں اس شہر میں ہوں پر ایک دم اچھا نہ رہا ؛ چاہتا ہوں کہ دو چار روز کے واسطے شہر موصل میں جاؤں ، آب و ہوا تبدیل کروں ، شاید شفا ہووے ۔ تھوڑے روز یہ دل دردمند میرا دشمنوں کے ہاتھ سے آرام پاوے ، بدخواہوں کے جور و ستم سے بچے ۔

آخر کار ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کئی ملازموں ہوا خواہوں کو ساتھ لے کر شہر موصل کی طرف

متوجہ ہوئے ۔

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ دمشق میں ایک شخص نابینا رہتا تھا اور اہل بیت رسالت سے دیدہ و دانستہ قساوت قلبی رکھتا تھا ، اس بات کے سنتے ہی خوش ہوا ۔ جی میں کہنے لگا کہ یہ میرے دشمن کا بیٹا ہے کوئی تدبیر ایسی کیجیے کہ اس کو مار لیجیے ۔ بہتر ہے کہ موصل جاؤں ، اس کے ساتھ کسی طرح دوستی و آشتی پیدا کروں ، فرصت کے وقت مار رکھوں ۔

یہ بات سوچ کر اپنے نوکروں سے ایک سانگ زہر بجھی لے کر ٹیکتا ہوا موصل میں جا پہنچا ۔ اس روز حضرت امام حسن علیہ السلام مسجد میں نماز پڑھتے تھے ، اس نے بھی جا کر کچھ جھوٹ موٹ پڑھی ۔

حاصل کلام اسی طرح ہر روز جاتا ، جناب امام حسن علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھتا ، زبان معجز بیان سے پند و نصائح سنتا اور روتا ۔ لیکن ہر آن اسی گھات میں رہتا کہ کسی دن یہ زہر بھری برچھی اسے ماروں اور اپنے دل سے کانٹا نکالوں ۔

اتفاقاً ایک دن وہ شہزادۂ عالمیان ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد کے باہر داہنا پاؤں بائیں پاؤں پر دھرے بیٹھا تھا ۔ اتنے میں کور باطن مسجد سے نکلا ، حضرت امام حسن علیہ السلام کو دعائیں دیتا برچھی ٹیکتا ہوا قریب آیا اور اٹکل سے وہ برچھا حضرت کے پاؤں پر رکھ کر اس قدر زور کیا کہ پشت پا چھید کر زمین میں جا گھسا ۔

اُس شہ زادۂ عالمیاں نے ایک آہ سرد اپنے دلِ پُردرد سے کھینچی ، چہرۂ منور پر ایک زردی سی چھا گئی ۔ فوراً پاؤں سوج اٹھا ، خون پاک سر زخم سے بہہ چلا ۔ یہ حوال دیکھ کر عبداللہ ابن عباس اور کئی دوستوں نے اُس کو پکڑا اور ارادہ کیا کہ باندھیں ، سزا دیں ، عذاب شدید سے ماریں ، لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اور کچھ نہ کہو ۔ یہ جس طرح بہ ظاہر اندھا ہے ، قیامت کے دن بھی نابینا ہی اٹھے گا ۔

وہ کور موصلی چھوٹتے ہی بھاگا ، آنکھوں سے غائب ہو گیا ۔ حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے زخم پا سے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے تھے اور زبان حال سے فرماتے تھے:

نظم

میں قدم رکھتا ہوں جس جا ، غم وہیں رکھتا ہے پا
ہے یہ احسان خدا ، کرتا ہے مجھ سے غم وفا

حاصل کلام جراح کو بلوایا ۔ جوں اُس کی نظر زخم پر پڑی ، سر سے پگڑی پھینک دی اور رو رو کر یہ بات کہی کہ ہے ہے ! یہ زخم زہر بھری برچھی کا ہے ، بڑی مشکل سے اچھا ہوگا ۔

یہ بات سن کر ابن عباس نے عرض کی کہ اے سرور سینۂ محمد مصطفیٰ و اے جگر گوشۂ علی مرتضیٰ اگر مجھے حکم ہوتا تو میں اُس کافر بدنہاد کو قتل کرتا ۔ جناب امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اپنے عمل کی

مکافات آپ پاوے گا۔

القصہ جراح نہایت دانا تھا ، معالجے میں مشغول ہوا ، تمام زہر اس شاہ زادۂ کون و مکاں کے زخم پا سے کھینچ لیا ، اور وہ کافر بعد چودہ روز کے پندرھویں دن پکڑا گیا۔ سعد موصلی نے اپنے بھتیجے کی مصلحت سے جس کا نام مختار تھا ، بہت سی لکڑیاں جمع کر کے اُس کور موصلی کو جلا دیا۔

جناب امام حسن علیہ السلام پھر وہاں سے مدینۂ منورہ میں داخل ہوے۔ ے ہے ! ایک روز ایسونیہ تھوڑا سا پسا ہوا الماس اور سچے موتیوں کا ایک دولڑا مروان کا بھیجا ہوا اسما کے پاس لائی اور اس کو دیکھ کر کہنے لگی کہ بی بی یہ دولڑا تو پہن اور یہ سودۂ الماس جناب امام حسن علیہ السلام کو کسی طرح کھلا۔

وہ بد بخت اس دولڑے کے لالچ سے حضرت امام حسن علیہ السلام کے قتل کرنے پر مستعد ہوئی۔ القصہ شہر صفر کی اٹھارھویں تاریخ ، جمعے کے روز اس بنگلے کی طرف متوجہ ہوئی جس میں حضرت امام حسن علیہ السلام روز و شب رہا کرتے تھے۔ جب اوپر گئی ، کیا دیکھتی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام تکیے پر سر مبارک دھرے ہوے سوتے ہیں ، بہنیں بھاوجیں گرد و پیش آرام کرتی ہیں اور صراحی سر بہ مہر حضرت امام حسن علیہ السلام کے سرہانے دھری ہے۔ یہ بد بخت آہستہ آہستہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور وہ سودۂ الماس اپنے انگوٹھے سے چھان کر الگ چلی آئی۔ کسی کو اس کے آنے جانے کی خبر نہ ہوئی۔

اتنے میں حضرت امام حسن علیہ السلام خواب استراحت سے بیدار ہوئے ، بی بی زینب علیہا السلام کو پکار کر کہنے لگے کہ بوا ! اٹھو ، ابھی میں نے اپنے نانا جان محمد مصطفیٰ اور بابا جان علی مرتضیٰ اور اماں فاطمہ کو عالم خواب میں دیکھا ہے ، تھوڑا پانی دو وضو کروں ۔

اتنی بات کہہ کر آپ ہی صراحی اٹھا لی ، مُہر جوں کی توں دیکھی ، اس کا منہ کھول کر تھوڑا سا پانی پیا اور ایک آہ سرد اپنے دل پر درد سے کھینچ کر فرمایا "واویلا ! اس پانی کو کیا ہو گیا جس نے حلق سے ناف تلک پارہ پارہ کردیا ۔" اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلوا کر اپنی زبان معجز بیان سے ارشاد کیا کہ اے برادر بہ جان برابر میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ نانا محمد مصطفیٰ اور بابا علی مرتضیٰ اور اماں فاطمہ زہرا مجھے اپنے ساتھ بہشت بریں میں لیے پھرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے فرزند جگر بند نبی و اے راحت افزاے دل درد مند فاطمہ و علی ! خوش ہو کہ اب دشمنوں کے ظلم و ستم سے چھٹا ، بد بختوں ستم گروں کے جور و جفا سے نکلا ۔ یقین ہے کہ کل کی رات تو ہمارے ساتھ ہووے ، بہشت بریں میں آرام کرے ۔ اتنے میں چونک پڑا ، میں تھوڑا سا پانی اس کوزے کا پی گیا ۔ اب جی متلاتا ہے ، کلیجا منہ کو چلا آتا ہے ۔

یہ بات سنتے ہی حضرت امام حسین علیہ السلام نے چاہا کہ آپ بھی وہ پانی پئیں ، حقیقت اس کی دریافت کریں کہ جناب امام حسن علیہ السلام نے وہ کوزہ آن کے ہاتھ سے لے لیا ، زمین پر دے پٹکا ؛ وونہیں اس موضع نے جوش

کھایا اور کنگھی کے شانوں کی طرح چاک چاک ہو گیا۔

اتنے میں اس شہ زادۂ دو سرا اور اس امام روز جزا کے پیٹ میں درد ہوا ، رات بھر بے قرار رہے ، صبح ہوتے ہی طشت آگے دھر کے استفراغ کرنے لگے۔ ہے ہے ! ستر ٹکڑے جگر مبارک کے منہ سے طشت میں گرے۔ بعضی روایت سے ایک سو ستر لخت جگر نکلے۔ یہ حالت دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے عمامہ سر سے پھینک دیا اور یہ قطعہ زبان حال سے ادا فرمایا :

قطعہ

قدح میں اس کے بھرا کس نے سودۂ الماس
ہوا جو زہر نمط آب خوش گوار حسن

جگر کے ٹکڑے ہوئے سم سے ایک سو ستر
جو سب دھن سے گرے ہائے بر کنار حسن

جگر شفق کا جلا لالہ ساں ز آتش دل
نگاہ کر کے جگر خستۂ نگار حسن

تھے اس کے لب جو وہ ہیہات مایۂ تریاک
ہوئے وہ تلخیٔ لب سے شکر نثار حسن

ستارے خون جگر چشم سے بہا دیویں
جو دیکھیں لخت دل و چشم اشک بار حسن

نبی کے باغ فضا میں خزاں کے ظلم سے ہائے
رہے نہ لالہ و نسریں ز نوبہار حسن

بنفشہ زانوے حسرت پہ کیوں نہ سر رکھے
پریشاں دیکھے ہے وہ موئے مشک بار حسن

جگر کے ٹکڑے نہ کیونکر ہوں حیدری کے ہائے
لہو میں دیکھے ہے ڈوبا دل فگار حسن

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ اُس وقت حضرت امام حسن اور جناب امام حسین علیہما السلام گلے میں بانہیں ڈال کر اس قدر روئے کہ تمام اہل بیت رسالت کے جگر پھٹ گئے ، کلیجے منہ کو آ رہے ۔ بعد اس کے اسما کو اپنے حجرۂ منورہ میں طلب کیا اور آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اے یار بے وفا و اے ستم گار پر جفا ! دیکھ میں نے تیرا احوال اپنے بھائیوں سے نہ کہا ۔ یقین کر کہ یہ معاملہ اپنے خدائے کریم پر موقوف رکھا ۔ ہے ہے ! تو غضب الٰہی سے نہ ڈری ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم نہ کی ؛ گریبان محبت پھاڑا ، کوچۂ بے وفائی میں قدم رکھا ، میرے حسین کو بے برادر کیا اور میرے بچوں کو یتیم بنایا ۔ اتنی بات کہہ کر بے اختیار روئے ، یہ قطعہ زبان سے پڑھنے لگے :

قطعہ

بے سبب یار کو یوں یار کوئی مارے ہے
مجھ سا یوں یار وفادار کوئی مارے ہے

دوست مت جان سمجھ دشمن جانی مجھ کو
تب بھی اس طرح سے اغیار کوئی مارے ہے

بعد اس کے حضرت قاسم علیہ السلام کو بلوایا اور گلے لگا کر منہ چوما ، ایک تعویذ لکھ کر اُن کے بازو سے باندھا اور فرمایا ”اے جان بابا و اے روح و روان بابا !

جب تجھ پر کوئی مشکل پڑے ، اس کو پڑھنا اور اس کے بموجب عمل کرنا ۔'' پھر حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ اے برادر بہ جان برابر ! میں نے تمھاری بیٹی فاطمہ کبریٰ اپنے قاسم کے نام زد کی ۔ جب یہ دونوں پروان چڑھیں ، شادی کر دینا ؛ نظر شفقت پدری و برادر زادگی سے ہاتھ نہ اٹھانا ۔ اب میں اپنی بہنیں ، بھاوجیں ، بال بچے تمھارے سپرد کرتا ہوں اور تم کو اپنے خدائے کریم کے حوالے ۔

ہے ہے ! شہر صفر کی اکیسویں شب ، ہفتے کے روز جناب امام حسن علیہ السلام کا رنگ آب گوں ہو گیا ، وقت مرگ قریب پہنچا ، آنکھیں بند کر لیں ، لڑکے بالوں ، بہنوں بھائیوں کی حالتیں تباہ ہو گئیں ۔ اور اس نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ نے کلمۂ شہادت زبان معجز بیان سے ادا فرمایا ، بلبل روح نے بہشت بریں کی طرف پرواز کیا ۔ حضرت قاسم علیہ السلام پچھاڑیں کھانے لگے اور یہ نوحہ زبان مبارک پر لائے :

نوحہ

سر پیٹ کے یوں کہنے لگے قاسم ناشاد ، ہے ہے مرے بابا !
مرنے سے ترے خانۂ دیں ہوگیا برباد ، ہے ہے مرے بابا !

تھا باغ رسالت کا تو اک سرو خراماں ، اے جان پیمبر
دریائے ولایت کا تھا اک گوہر غلطاں ، ہے ہے مرے بابا !

یہ زہر پلا کس نے کلیجا کیا ٹکڑے ، اے شافع محشر
تھی کس کے تئیں ایسی عداوت کہو تم سے ، ہے ہے مرے بابا !

ہم بےکسوں پر اُس کے تئیں رحم نہ آیا ، اے وائے مصیبت!
گھر دادا علی کا جو یہ ماٹی میں ملایا ، ہے ہے مرے بابا !

چھاتی سے لگالو مجھے ٹک دے کے دلاسا ، کیوں چپکے پڑے ہو ؟
مرنے سے تمھارے میں ہوا آج نراسا ، ہے ہے مرے بابا !

فردوس کو جاتے ہو یہاں مجھ کو نہ چھوڑو ، از بہر پیمبر
سر پیٹ کے میں ورنہ کہوں گا یہی رو رو ، ہے ہے مرے بابا !

یوں دیکھے ہیں ٹکڑے جو کلیجے کے تمھارے ، دل ہوتا ہے ٹکڑے
یہ کیسا غضب ٹوٹ پڑا سر پہ ہمارے ، ہے ہے مرے بابا !

اب ظالموں میں رہ گیا تنہا مرا عمو ، اے نائب حیدر
دشمن نہ اسے چھوڑیں گے گر پاویں گے قابو ، ہے ہے مرے بابا !

پھپھیاں کھڑی سر پیٹتی ہیں با دل مضطر ، اور روتی ہیں اماں
تم مر گئے میں اُن کی تشفی کروں کیوں کر ، ہے ہے مرے بابا !

اب حیدری کے دل کو کہاں تاب عزیزو ، جو وہ لکھے اس کو
جس طرح سے قاسم کہے تھا لاش پہ رو رو ، ہے ہے مرے بابا !

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پانچویں مجلس حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے شہید ہونے کی

قطعہ

دریائے خوں اے مومنو! آنکھوں سے دو بہا
بہر حسین تشنہ لب و شاہ کربلا

ہے سرخ روئی تم کو اسی سے بروز حشر
پیش رسول و فاطمہ و پیش مرتضیٰ

اے مومنو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت مسلم ابن عقیل کے شہید ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آس کی بے کسی و تنہائی پر روؤ، چشمۂ چشم سے خون دل بہاؤ:

نظم

ٹک سن دلا یہ نالہ و افغان فاطمہ
طوفاں فزا ہے دیدۂ گریان فاطمہ

خلد برین و مجلس پر نور حور عین
کرتی ہے تار زلف پریشان فاطمہ

دل کر کباب آتش غم سے اے ماتمی !
ٹک دیکھ آ کے سینۂ سوزان فاطمہ

چرخ بریں پر آہ تزلزل سا پڑ گیا
روئے جو ڈاڑھ مار کے طفلان فاطمہ

بے گور و بے کفن تھے، نہ تھا نوحہ گر کوئی
بے کس پڑے تھے بن میں غریبان فاطمہ

زہرا نے جوں حسین کی کربل میں دیکھی نعش
دل تھام کر پکاری کہ اے جان فاطمہ !

صابر ہوا ذبیح و خلیل خدا کی طرح
اس عہد میں تو اے گل بستان فاطمہ !

اس کے سوا میں کیا کہوں اے جان مصطفیٰ !
شوکت سے تیری دونی ہوئی شان فاطمہ

گل گوں ہر اک شہید کو کربل میں دیکھ کر
بولی کہ ہائے لٹ گیا بستان فاطمہ !

بس حیدری ! قلم تو اٹھا ، تھام لے جگر
طوفاں فزا ہے دیدۂ گریان فاطمہ

اے درد مندو ، کوچۂ تنہائی کے آوارو و اے غریبو ، دیار بے کسی کے مبتلاؤ ! حضرت رسول خدا کے راحت جان اور جناب فاطمہ کے روح روان ، یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے رسول مسلم ابن عقیل کا احوال سنو ، اپنے سر دھنو اور روؤ -

حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زبان معجز بیان سے خود فرمایا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ

کی درگاہ اعلیٰ سے جس بندے کی خاطر ایک درجۂ والا مقرر ہوا ہے ، وہ مرتبہ اس کے اعمال سے نہیں ملتا ، مگر خدائے کریم جب تلک اس نیک نہاد کو اپنی حکمت بالغہ و قدرت کاملہ سے بڑی بڑی مصیبتوں اور بلیاتوں میں مبتلا نہ کرے :

مثنوی

ہر بلا میں اک عطا ہے دوستو
ہر کدورت میں صفا ہے دوستو
ہے چھپا ہر رنج میں گنج عطا
خار دیکھا ، گل بھی اب دیکھو ذرا

اس بات میں کچھ عیب نہیں کہ انبیاؤں ، اولیاؤں کے دل درد مند کو محنت و مصیبت کے شعلۂ جاں ستاں سے جلایا ، اور حسرت و ملامت کی آگ سے صدیقوں ، نیک نہادوں کے دل و جگر کو کباب کیا ، کیوں کہ داعیہ داروں کے سر میدان بلا میں تیغ غیرت سے کاٹتا ہے ، کبھی ملک مودت کے سرداروں کے فرق مبارک رنج و الم کے چوراہے میں تار بلا سے لٹکاتا ہے ۔

عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ موسم حج میں بیت الحرام کا احرام باندھ کر توکل بہ خدا راہ نورد ہوا تھا میں ، جنگل و بر میں قدم دھر کے چل نکلا تھا میں ۔ اثناء راہ میں ایک لڑکا بارہ تیرہ برس کا دیکھا میں نے کہ پیادہ پا چلا جاتا ہے ۔ جی میں کہنے لگا خدا وندا ! یہ کون ہے جو اس ویرانے میں تن تنہا راہ نورد ہے ۔

مثنوی

کون ہے یہ کون ہے ہاں یوسف کنعاں ہے یہ
خضر ہے الیاس ہے یا چشمۂ حیواں ہے یہ
دیکھ اس لطف و کرم کو اس بیاباں میں ذرا
نور خالق ہے یہی یا پرتو سبحاں ہے یہ

میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا ، وہ جواب سلام دے کر آگے بڑھا ۔ میں نے دوڑ کر عرض کی ''صاحب تم کون ہو؟'' اُس نے فرمایا ''انا عبداللہ ، میں بندۂ خدا ہوں'' التماس کیا میں نے ''کہاں سے تشریف لاتے ہو؟'' ارشاد کیا ''من اللہ ، اپنے خدائے کریم کے پاس سے'' پوچھا میں نے ''کہاں جاؤ گے؟'' فرمایا ''الی اللہ ، حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس'' عرض کی میں نے ''کیا چاہتے ہو؟'' کہنے لگے ''رضائے الٰہی'' سوال کیا میں نے ''توشہ کیا رکھتے ہو اور سواری کیا ہے؟'' جواب دیا ''زاد راہ ہے میرا تقویٰ اور مرکب کیا ہے میں نے ان دونوں پاؤں کا'' عرض کی میں نے کہ یہ جنگل پرخار و ہیبت ناک ہے اور تم نہایت خورد سال ، پیادہ پا کیوں کر جاؤ گے ؟ فرمانے لگے کہ تو نے کسی کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے دوست کی ملاقات کو گیا ہو اور اُس نے اُس کو اس نعمت وصال سے محروم رکھا ہو؟ یہ بات سن کر عرض کی میں نے کہ صاحب دیکھنے میں تم لڑکے معلوم ہوتے ہو پر گفتگو بزرگوں خدا رسیدوں کی سی کرتے ہو ۔ اسم مبارک کیا ہے ؟ ارشاد کیا کہ اے ابن مبارک ! فلک زدوں سے کیا پوچھتا ہے اور اُن کے نام و نشان سے مطلب کیا رکھتا ہے :

مثنوی

ھوں میں اُن کا لختِ دل دیویں گے جو کوثر کا جام
کیا بتاویں تجھ کو اے ابن مبارک اپنا نام

اُنس جو ھم سے رکھے گا ھم اُسے روز شمار
بخشواویں گے سفارش کر کے از پروردگار

بے وسیلے کب ھمارے ھو کسی کی مخلصی
ھے سبب اُس کی شفاعت کا ھماری دوستی

حق رکھا جس نے ھمارا کیا کہیں روز شمار
ھم ھیں اور غاصب ھے اور ھے وہ ھمارا کرد گار

یہ بیتیں پڑھ کر میری آنکھوں سے غائب ھو گیا ، لیکن جب میں مکۂ معظمہ میں داخل ھوا ، اُس لڑکے کو ایک مجمع کثیر میں بیٹھے اور اُن لوگوں کے رو برو حرام و حلال کا مسئلہ بیان کرتے مشاھدہ کیا ۔ قرآن مجید کے دقیقے ، حدیث شریف کی مشکلیں بہ خوبی ادا کرتے دیکھا ۔

آخر کار ایک شخص سے پوچھا میں نے کہ یہ لڑکا کون ھے ؟ اس بات کے سنتے ھی اُس نے کہا کہ ھے ھے ! تو اُسے نہ جانے کہ جسے مکے اور بطحا کے سنگ ریزے تلک جانیں ۔ اے عزیز ! یہ جگر گوشۂ رسول خدا ، و سرور سینۂ علی مرتضیٰ ، خلف حضرت امام حسین شہید دشت کربلا حضرت امام زین العابدین علیھم السلام ھے ۔

ابن مبارک اس بات کو سنتے ھی اُس شاہ زادۂ دو جہاں اور اُس امام کون و مکاں کے پاؤں پر گر پڑا ،

تلووں سے آنکھیں مل کر رونے لگا۔

رنج و الم کی حکایات جاں گزا کے لکھنے والوں نے، درد و غم کی روایات حیرت افزا کے رقم کرنے ہاروں نے، اس احوال پر ملال کو صفحۂ بیان پر قلم اشک بار سے یوں ثبت کیا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ اُن کوفیوں کے نامہ و پیغام حد سے گزرے، چا ر و ناچار جواب میں ایک خط لکھا اس مضمون کا کہ یہ میرا نامۂ فیض شمامہ گروہ مومنوں و طایفۂ دین داروں کو پہنچے۔ بعد از حمد الٰہی و نعت حضرت رسالت پناہی کے معلوم ہووے کہ تمھارے خط ہم کو پہنچے، احوال اُن کا دریافت کیا گیا۔ اس واسطے اپنے چچیرے بھائی مسلم ابن عقیل کو، کہ زیور علم و حلم سے آراستہ ہے، تمھاری طرف روانہ کیا۔ اُس سے ملاقات کرو، اس کے حلقۂ اطاعت میں در آؤ کہ وہ مجھے لکھے، میں مقرر آؤں گا۔

غرض حضرت مسلم ابن عقیل کو اپنے خط مسرت نما سمیت اُس گروہ کے ساتھ جو کوفے سے آیا تھا، روانہ کیا۔ حضرت مسلم علیہ السلام نے ہنوز ایک منزل بھی مکۂ معظمہ کی طے نہ کی ہو گی کہ ایک صیاد کو اپنی داہنی طرف ہرن ذبح کرتے دیکھا، فال بد جان کر وہاں سے پھرے، حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے اور جو ماجرا دیکھا تھا، عرض کرنے لگے۔

جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ بھائی! تم اتنی ہی بات سے ڈرے، خیر اگر تم نہ جاؤ تو میں

اور کسی کو بھیجوں ؟

یہ بات سن کر حضرت مسلم نے عرض کی ''یا ابن رسول اللہ! اس میں اپنے مرنے سے نہیں ڈرا ، جانتا ہوں کہ اگر جاؤں گا تو یہ قدم مبارک پھر جیتے جی نہ دیکھوں گا ۔''

نظم

سر اٹھاؤں میں نہ مارے گر کوئی تلوار سے
عید ہے اس دن کہ ہوں قربان تیری راہ کے
میں ازل سے جانتا تھا عشق کے گھر میں ترے
خون دل چھٹ کچھ نہیں میری غذا کے واسطے

حاصل کلام حضرت مسلم روتے ہوئے جناب امام حسین علیہ السلام سے رخصت ہوئے ۔ جب مدینۂ منورہ کے قریب پہنچے ، رات کے وقت شہر میں داخل ہوئے ۔ حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضۂ مقدس پر گئے ، نماز زیارت پڑھی ، طوف کر کے گھر آئے ۔ اپنے ان دونوں صاحب زادوں کو جو نہایت خورد سال تھے ، ساتھ لیا اور تمام لڑکوں بالوں ، بڑے بوڑھوں سے رخصت ہوئے اور دو رہ بر ساتھ لیے ، اس واسطے کہ جلد کوفے پہنچاویں ۔

ہے ہے ! وہ ہرکارے راہ بھولے ، ریگستان میں ادھر ادھر پھرنے لگے ، آخرکار مارے پیاس کے مر گئے اور حضرت مسلم بہ ہزار خرابی دریا کنارے پہنچے ۔ جب کوفے میں

داخل ہوئے، جو گھر دارالمختار کے نام سے مشہور تھا، اُس میں جا اُترے۔

جن جن لوگوں نے خط لکھے تھے، وہ حاضر ہوئے، حضرت مسلم علیہ السلام نے وہ نامہ جو جناب امام حسین علیہ السلام نے دیا تھا، اُن کے سامنے پڑھا۔ وہ سب کے سب اُس خط کو سن کر روئے اور حضرت مسلم علیہ السلام کی سلک ملازمت میں در آئے، یہاں تلک کہ تھوڑے دنوں میں اٹھارہ ہزار آدمی نے بیعت کی۔

اس احوال کی ایک عرضی حضرت مسلم نے جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں ارسال فرمائی، لیکن بشیر نعمان جو یزید پلید کی طرف سے کوفے کا حاکم تھا اس بات سے ڈرا اور جامع مسجد میں جا بیٹھا؛ پکار پکار کر کہنے لگا کہ تمام اہل کوفہ حاضر ہوں۔ جب وہ سب کے سب جمع ہوے، منبر پر جا چڑھا، بہ آواز بلند کہنے لگا کہ اے اہل کوفہ! اب کہاں تلک فتنہ انگیزی و بدنہادی کروگے، خدا سے ڈرو، اپنے حال زار پر رحم کھاؤ، اپنے کیے کی توبہ کرو، نہیں تو مارے پڑوگے۔

بشیرنعمان اتنی بات کہہ کر منبر سے اُتر پڑا، دارالامارت کی طرف چلا گیا۔ کتنے کافروں بدنہادوں نے اس احوال کی ایک عرضی یزید پلید کو لکھی، حضرت مسلم علیہ السلام کے احوال سے آگاہی بخشی۔

اس بات کے سنتے ہی یزید پلید گھبرایا، سرخون رومی جو اُس کی مملکت کا مدارالمہام و وزیر بدانجام تھا، اُس

ناپاک سے اس کام کی خاطر مصلحت کی ۔ اُس ملعون نے یہ بات کہی کہ سوائے عبداللہ ابن زیاد کے اور کوئی اس کام کو انجام نہ دے سکے گا ۔

وهیں یزید پلید نے ایک خط پسر زیاد کو لکھا کہ میں نے یوں سنا ھے کہ حضرت مسلم جناب امام حسین علیہ السلام کی طرف سے کوفے میں آئے ھیں اور لوگوں سے بیعت چاھتے ھیں ؛ اگر یہ بات سچ ھے تو اُن کو قتل کرو اور سر کاٹ کر ھمارے پاس بھیج دو ۔

جوں یہ نامہ اُس ملعون کو پہنچا ، مارے خوشی کے پ میں نہ رھا ، کوفے کی طرف متوجہ ھوا ۔

اثناء راہ میں ایک خبر اور سنی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بصرے کے سرداروں ، اشرافوں کو اپنے غلام سلیمان کے ھاتھ ایک خط اس مضمون کا لکھ بھیجا ھے کہ اے مومنو ، دین دارو ، و اے آگاہ دلو ، خدا رسیدو ! فوائد حق پرستی و قواعد امر و نہی میں سکھلا سکتا ھوں ، حرام و حلال کا احوال میں بتلا سکتا ھوں ۔ اگر اس بات میں راضی ھو تو راہ راست اختیار کرو ۔ اب میں کوفے جاتا ھوں ، جلد اپنے تئیں میرے پاس پہنچاؤ ، دیر نہ کرو ، زیادہ والسلام ۔

ھے ھے ! پسر زیاد نے کتنے لوگ تعین کیے تھے کہ وہ سلیمان کو پکڑ لائے ۔ عبداللہ ابن زیاد نے پہلے اسے ڈرایا ، پھر بہت سا لالچ دکھلایا ، یہاں تلک کہ اس نے کہہ دیا کہ فلانے فلانے شخص کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے

خط لکھے ہیں ۔

اسی گھڑی اُس کافر نے اُن لوگوں کو بلوا کر کہا کہ تم سب جانتے ہو کہ وہ بندہ پسر زیاد ہے ، خوں ریزی و فتنہ انگیزی میں اپنے باپ سے سبقت لے گیا ہے :

قطعہ

خاک کردوں دشمنی و دوستی
اُن میں دوں خون کا دریا بہا

جو رکھے میدان مین میرے قدم
میں ہوں اور خنجر ہے اور اُس کا گلا

سوائے اس کے بالفعل کوفے کی حکومت کا خط میرے نام آیا ہے ، اس واسطے کہ میں کوشش و سعی کر کے حضرت مسلم کو جناب امام حسین علیہ السلام کے ہواخواہوں ، تابع داروں سمیت قتل کروں ۔ خبردار! اگر تم میں سے ایک نے بھی اُس کی اطاعت کی تو پیٹ پھڑوا ڈالوں گا ، گھربار اُس کا لوٹ لوں گا ۔ لیکن جب حضرت مسلم علیہ السلام نے یہ بات سنی ، اندیشہ کیا ، مختار کے گھر سے نکلے ، ہانی ابن عروہ کی حویلی میں تشریف لائے ۔

ہانی نے جناب مسلم علیہ السلام کو ایک کوٹھری میں چھپا رکھا ؛ ابن زیاد نے کسی طرح اس بات سے آگاہ ہو کر ہانی کو بلا بھیجا اور کہا کہ تو نے حضرت مسلم کو اپنے گھر چھپا رکھا ہے ، حاضر کر ۔ اُس نے کہا کہ وہ خود میرے غریب خانے تشریف لائے ہیں ، میں نے آپ سے نہیں بلایا ۔ پسر زیاد نے کہا 'جلد بلوا' ہانی بولا ''یہ ہرگز

نہ ہوگا ۔'' ابن زیاد نے ہرچند اُسے سمجھایا ، پر ہانی نے اُس کا کہنا نہ سنا ؛ یہاں تلک کہ اُس کافر نے ہانی کو ٹکٹی پر لٹکا کر اس قدر کوڑے مارے کہ وہ غریب غریق رحمت الٰہی ہوا ۔

اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی حضرت مسلم علیہ السلام مارے غصے کے کانپنے لگے ۔ وہیں اپنے دونوں صاحب زادوں کو قاضی شریح کے گھر پہنچا کر فرمانے لگے کہ ہمارے موالیوں ، ہوا خواہوں کو کہو کہ جلد حاضر ہوں ۔ وہیں قریب بیس ہزار جوان جرار کے اوپچی پہنے ہوئے آن کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے ۔

حضرت مسلم اُس فوج دریا موج کو ساتھ لے کر دارالامارت کی طرف چل نکلے ؛ ابن زیاد بھی اپنے سپاہیوں سیاہ دلوں اور بہت سے کوفے کے سرداروں ، اکابروں سمیت کوٹھے پر جا چڑھا ۔

حضرت مسلم نے آتے ہی اُس کی حویلی کو گھیر لیا ، ظہر سے لے کر عصر تلک ایک کشت و خون رہا ؛ قریب تھا کہ حضرت مسلم علیہ السلام دارالامارت چھین لیں ، اس کافر کو وہاں سے نکال دیں ۔

یہ حالت دیکھ کر پسر زیاد ڈرا ؛ کثیر ابن شہاب و محمد ابن اشعث و شمر ذی الجوشن و شیث ابن ربعی کو بلا کر کہنے لگا کہ اب اس آتش فتنہ کو تم آب شمشیر سے بجھاؤ ، زیادہ نہ بھڑکنے دو ۔

اُن کافروں نے بہ آواز بلند پکار کر کہا کہ اے یارو !

اپنے بال بچوں پر رحم کرو ، حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ دو ۔ اس بات کے سنتے ہی وہ سب کے سب روگرداں ہوئے ، یک قلم جناب مسلم علیہ السلام سے پھر گئے ۔

ہے ہے ! حضرت مسلم کو اس مصیبت میں تن تنہا چھوڑا ؟ خدا و رسول خدا کی طرف سے منہ موڑا ۔ ہنوز شام نہ ہوئی، تھی کہ اُن میں سے ایک نہ رہا ۔ حضرت مسلم تیس آدمیوں سے ایک مسجد میں آئے ، بعضے کہتے ہیں کہ دس جوان سے داخل ہوئے ؛ نماز ادا کی کہ وہ بھی نہ ٹھہرے ۔ حضرت مسلم تن تنہا رہ گئے ۔ جب مسجد سے باہر نکلے ، ایک بڑھیا کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے اور اس سے کہنے لگے کہ اے مادر مہربان ! ہوسکتا ہے کہ ایک کٹورا پانی پلاوے ، میں نہایت پیاسا ہوں ؟ طوعہ نے ایک جام شورے سے جھلا ہوا لا دیا ؛ حضرت مسلم نے وہ آب سرد پیا ، قدرے وہیں آرام فرمایا ، کیوں کہ نہایت تھک گئے تھے ۔

جب پہر رات گئے طوعہ کا بیٹا گھر آیا اور ماں کو بد حواس دیکھ کر پوچھنے لگا ”اما جان! آج اس قدر بے قرار کیوں ہو ؟“ اس نے بہت سی قسمیں دے کر حضرت مسلم کا احوال اس کافر کے سامنے بیان کیا ۔

اس بد بخت نے صبح ہوتے ہی یہ خبر ابن زیاد کو پہنچائی ۔ اس ملعون نے تین ہزار جوان کار دیدہ جنگ آزمودہ محمد اشعث کے ساتھ کر کے کہا کہ جلد جاؤ ، مسلم ابن عقیل کو پکڑ لاؤ ۔

اشعث اس سپاہ روسیاہ کو لیے ہوئے طوعہ کے گھر کی

طرف متوجہ ہوا اور اس غریب کی حویلی کو آتے ہی گھیر لیا ۔ حضرت مسلم صبح کی نماز پڑھ چکے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے، ہتھیار لگا کر باہر نکلے ؛ اس فوج دریا موج سے لڑنے لگے، بہت سے کافر مارے، آپ بھی زخمی ہوئے، ایک دیوار سے لگ کر قدرے سستانے لگے ۔

ہے ہے ! اتنے میں ایک کافر بدکیش نے ایک پتھر ایسا مارا کہ ماتھا پھوٹ گیا ، پیشانی نورانی سے دریاے خون بہہ نکلا ۔ حضرت مسلم نڈھال ہوے ، وہ کافر بد کردار آن کو گرفتار کر کے پسر زیاد کے پاس لے گئے ۔ اس کافر نے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں آئے تھے ؟ ارشاد کیا کہ اس لیے حق حق دار کو پہنچے ، جناب امام حسین علیہ السلام مسند نبوت و امامت پر بیٹھے ۔ یہ بات کہہ کر فرمانے لگے کہ اے ابن مرجانہ! تو مجھے جیتا نہ چھوڑے گا ۔ اس نے کہا ''البتہ میں تمھیں قتل کروں گا ۔'' حضرت نے فرمایا کہ ایک آدمی اہل قریش سے میرے پاس بھیج دے کہ میں اسے تین وصیتیں کروں ۔

اتنے میں عمر ابن سعد کو دیکھا ، اسے بلا لیا اور فرمایا کہ اس شہر میں سات سو دینار کا دین دار ہوں میں ۔ تو میرا گھوڑا نعمان حاجب سے لے لینا اور میرے ہتھیار بیچ کر میرے قرض خواہوں کا قرض ادا کرنا ۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ جب مجھے شہید کریں اور سر میرا شہر شام بھیجیں ، پسر زیاد سے دھڑ مانگ کر جس جگہ مناسب جاننا گڑوا دینا ۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ ایک خط حضرت امام حسین

علیہ السلام کو ان کوفیوں کی بے وفائی کا لکھنا کہ حضرت تم ان کے قول و قرار پر مت جانا ۔

اتنے میں اُس کافر نے ایک شخص کو کہا کہ جلد ان کو بام کوشک پر لے جا اور قتل کر ۔ وہ کافر ھاتھ پکڑ کر چھت پر لے گیا ۔ حضرت مسلم نے کعبۂ معظمہ کی طرف دیکھ کر رو دیا اور ان دو تین بیتوں کو زبان حال سے ادا کیا :

مثنوی

مہربانی کر تو اے باد صبا
آل احمد کے ذرا گھر تک تو جا

گر پڑے شبیر پر تیری نظر
کہیو اُس سے سر بہ سر یہ ماجرا

کوفیوں کا ظلم جو دیکھے ہے تو
عرض کرنا اُس سے سب بہر خدا

مسلم دل خستہ کہیو کیا کہوں
کوفیوں کے ھاتھ سے مارا پڑا

تو نہ جانا قول پر اُن کے کبھو
ھیں یہ کافر ، بے حیا و بے وفا

حیدری میں اس کو لکھ سکتا نہیں
اُس گھڑی مسلم نے جو رو رو کہا

ہے ہے! اتنے میں اُس بد بخت و سیہ اختر نے حضرت مسلم کو اپنی تیغ بے دریغ سے قتل کیا ، تن نازنیں سے سر مبارک اُتار لیا ۔

انّا للہ و انّا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھٹی مجلس حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے صاحب زادوں کے شہید ہونے کی

نظم

کیوں نہ ہوں اس غم میں آنسو اپنی آنکھوں سے رواں
جس الم کو دیکھ کر روتا ہے ہر شب آسماں

ہے غضب وہ حضرت مسلم کے دونوں نور عین
تشنہ لب دریا کنارے قتل ہوں اے مومناں !

اے مومنو ! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے صاحب زادوں کی شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے :

نظم

بہر حق اے اہل بیت مصطفیٰ کے دوستو !
ان یتیموں کی شہادت پر ذرا زاری کرو

بے کس و مظلوم جو مارے پڑے ہے ہے غضب
خون دل سے آن کے غم میں چشم کے ساغر بھرو

حضرت مسلم کے صاحب زادوں پر بہر خدا
غم کرو یاں تک کہ شاداں حضرت شبیر ہو

جس جگہ نے باپ ہو، نے ماں ، وہاں مارے پڑیں
ہے غضب آن بے کسوں کی بے کسی ٹک دیکھیو

ہے یہی لازم جہاں تک ہو سکے ، آن کے لیے
اشک کا دریا بہاؤ غم کو دل میں راہ دو

گہ محمد کے لیے سر پیٹ کر ہو اشک بار
اور ابراہیم کا گاہے زباں سے نام لو

گر گروہ مرتضیٰ میں چاہتے ہو اپنی جا
ہے یہی رونے کی جا ، زاری سے مت عاری رہو

حیدری خاموش ، اب کہتا ہے یوں مجھ سے قلم
مجھ میں یہ طاقت کہاں جو لکھوں اس احوال کو

اے مومنو ، غم و الم کے گرفتارو ، و اے یارو ، آل و اولاد کے ماتم دارو ! حضرت مسلم علیہ السلام کے صاحب زادوں کی شہادت کا احوال سنو ، اپنی سی چوٹ سمجھو ، آنسو بہاؤ ۔

سچ ہے کہ کوئی مصیبت ایسی نہیں جو اس خاک دان دنیا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے رنج و الم سے زیادہ ہوئی ہو ۔ یہ وہ درد و الم ہے کہ جس نے ہر ایک کے دل درد مند میں گھر کیا ۔ یہ وہ مصیبت و ماتم ہے کہ جس کا غلغلہ و ولولہ بر و بحر میں پڑ گیا ۔ یہ وہ غم و الم ہے کہ حق تعالیٰ نے جس کا ذکر قرآن شریف میں کیا ہے ۔

بس جناب امام حسین علیہ السلام کی مصیبت میں اپنے تئیں رونے اور پیٹنے سے باز نہ رکھو، کیوں کہ یہ گریۂ و زاری دنیا میں آبرو بخشے گی اور عقبیٰ میں وسیلہ بخشش کا ہووے گی۔

بے شک و شبہ انبیاؤں اولیاؤں پر مصیبتیں پڑیں ، اذیتیں اور مشقتیں انھوں نے اٹھائیں ، پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح کوئی رنج و بلا میں نہیں پڑا اور نہ کسی نے ایسا درد و غم دیکھا ، کیوں کہ جس وقت حضرت عباس علی علیہ السلام میدان کربلا میں گھوڑے سے گرے ، پکارے ، ''ادرکنی ۔'' بھائی جان ! خبر لو میری ۔ اس آواز جاں ستاں کے سنتے ہی حضرت امام حسین علیہ‌السلام آپ میں نہ رہے اور کلیجا تھام کر کہنے لگے کہ اب میری کمر ٹوٹ گئی ، امید منقطع ہوئی ۔

جب حضرت علی اکبر علیہ السلام زخمی ہو کر پکارے کہ ''ادرکنی'' بابا جان! پہنچو ، اپنے نورنظر کا حال زار دیکھو۔ اس آواز ہوش ربا کے سنتے ہی حضرت امام حسین علیہ السلام نے غش کھایا ، سارا جہان آنکھوں میں تیرۂ و تار ہو گیا ۔ جب ہوش میں آئے ، شیر گرسنہ کی مانند ذوالجناح اٹھا کر اس طرف متوجہ ہوئے ۔ ہر ایک طرف پھرتے تھے پر اپنے فرزند ارجمند کا نشان کہیں نہ پاتے تھے ۔ آخرکار بہت سی جستجو کر کے اس میدان جاں ستاں سے جناب علی اکبر کی لاش ذوالجناح پر دھر کے خیمۂ عصمت میں لے آئے ۔

غرض اسی طرح ہر ایک لخت جگر و نورالبصر کی حالت اپنی آنکھوں دیکھی ، سوائے صبر و شکر کے کچھ اور بات منہ سے نہ کہی ۔

درد و غم کی حکایتوں کے لکھنے والوں ، رنج و الم کی روایتوں کے بیان کرنے هاروں نے اس حکایت جاں گزا اور اس روایت حیرت افزا کو صفحۂ بیان پر قلم و زبان سے یوں تحریر کیا ہے کہ حضرت مسلم علیہ السلام کے شہید ہونے کے بعد بعضے بعضے غمازوں حرام زادوں نے پسر زیاد سے کہا کہ حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے دو لڑکے جن کے حسن دل فروز کے دیکھنے کی تاب مہر و ماہ نہیں رکھتے ، اُن کے لعل نوشیں کا شہرہ سن کے لعل و یاقوت معدن سنگ سے نہیں نکلتے ، اس شہر میں کہیں چھپ رہے هیں -

اس بات کے سنتے هی وہ ملعون نامیمون خوش هوا اور اپنے ارکان دولت سے کہنے لگا کہ جلدی منادی کرو ، اس احوال سے هر ایک چھوٹے بڑے کو آگہی بخشو کہ جس کے خانۂ تاریک میں وہ مہر و ماہ چھپے هوں ، اس بات سے واقف هوتے هی اُن دونوں یتیموں بے کسوں کو دارالامارت میں حاضر کرے - خدا جانتا ہے اگر یہ حکم جاں ستاں اُس نے نہ منا تو اُس کو اُس کے بال بچوں سمیت قتل کروں گا ، سارا گھر بار آتش سوزاں سے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالوں گا -

ہے ہے ! وہ دونوں نونہال گلشن مصطفیٰ و گل بستان مرتضیٰ قاضی شریح کے گھر چھپے بیٹھے تھے - اس خبر وحشت اثر کے سنتے هی قاضی شریح نے اُن دونوں صاحب زادوں والا دود مانوں کو اپنے پاس بلایا اور ڈاڑھیں مار کر یہاں تک رویا کہ غش کھایا - جب هوش میں آیا ، یہ آہ و زاری اُس کی دیکھ کر صاحب زادوں نے پوچھا کہ اے قاضی ! سچ کہنا هم کو دیکھ کر اس قدر کیوں رویا ، آہ ایسا حادثہ

ہم پر کیا پڑا۔ اس گریہ و زاری کے سیل غم سے ہم بے کسوں کی آتش حسرت مت بھڑکا، اس طرح کے رونے سے ہم ستم رسیدوں کے دل غم گیں کو نہ جلا ۔

قاضی نے چاہا کہ ضبط کرے پر نہ کر سکا ۔

فرد

جی یہ چاہے ہے کروں میں آہ و زاری ضبط سے
دل کہے ہے ہو گیا میں تنگ ٹک فریاد کر

کہنے لگا ''اے نور دیدۂ اہل بیت رسالت و اے سرور سینۂ دودمان امامت و کرامت ! تمہارے بابا جان نے اس دنیائے دوں سے رخت حیات اٹھایا ، دارالبقا کی طرف کوچ کیا ۔ اس کی بلبل روح نے قالب عنصری چھوڑ کر بال شہادت سے پرواز کیا ، اب گلشن جنت میں آشیانہ بنایا ۔ حق سبحانہ تعالی تم کو صبر جمیل بخشے ، حافظ و مددگار رہے !''

اس بات کے سنتے ہی دونوں صاحب زادے آپ میں نہ رہے ، غش کھا کر سطح خاک پر گر پڑے ۔ جب ہوش میں آئے سر سے عمامے پھینک کر گریبان تا دامان پھاڑ ڈالے ، 'ہائے بابا وائے بابا' کرنے لگے ۔

یہ حالت دیکھ کر قاضی بھی آنکھوں میں آنسو بھر لایا ، ان کو تسلی دے کر کہنے لگا کہ اے مظلومو ، فلک آوارو ، و اے بے چارو ستم رسیدو ! یہ وقت گریہ و زاری کا نہیں ، صبر کرو ۔ میں نے ایک تدبیر ٹھہرائی ہے کہ تم کو کسی طرح مدینۂ منورہ بھجوادوں ، اس شہر نا پرساں سے نکالوں ۔

آخر اس بے چارے نے پچاس پچاس دینار ہر ایک کی کمر سے باندھ کر اپنے بیٹے سے کہا کہ بابا جان ان دونوں صاحب زادوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کارواں میں جو مدینۂ منورہ جایا چاہتا ہے، پہنچا آؤ۔

آہ! وہ لڑکا ان دونوں مظلوموں، ستم رسیدوں کو اپنے ساتھ لے چلا۔ ہے ہے! اس وقت وہ قافلہ وہاں سے کوچ کر گیا تھا لیکن کچھ سیاہی اس کی دور سے نظر آتی تھی۔ اثناء راہ میں اس لڑکے۔ ان صاحب زادوں سے عرض کی "اے یتیمو، وطن آوارو، و اے بے چارو، ستم رسیدو! جلد اپنے قدم اٹھا کر اس قافلے سے جا ملو۔"

وہ بے چارے بہت مارے اس سے جدا ہوے اور اس قافلے کی طرف چل نکلے؛ قدرے راہ طے کی ہوگی کہ وہ سیاہی بھی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی، یہ دونوں بھائی راہ بھولے ادھر ادھر پھرنے لگے۔

اتنے میں وہ کوتوال جو اپنے ساتھ کتنے پیادے لیے ہوئے شہر کے گرد پھر رہے تھے، ان سے دو چار ہوئے اور پہچان گئے کہ یہ مسلم ابن عقیل کے لڑکے ہیں۔ وہیں باندھ لیا؛ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گلے میں طوق پہنا دیا؛ پسر زیاد کے پاس لے گئے؛ اس ملعون نے حکم کیا کہ ان کو پنڈت خانے میں قید کرو۔

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ محبوس خانے کا داروغہ ایک مرد صاحب ایمان و دوست دار اہل بیت رسول آخر الزمان مشکور نام نہایت دیانت دار و پرہیزگار تھا۔ اس

نے ان صاحب زادوں کو ایک اچھے خاصے مکان میں رکھا ، کھانا کھلایا ، پانی پلایا ۔ جب پہر رات گئی آن بے چاروں ، درد و غم کے گرفتاروں کو قید خانے سے نکال کر قادسیہ کی راہ دکھلا دی اور یہ بات کہی کہ صاحب زادو ! یہ انگوٹھی لو اور وہاں میرا ایک بھائی ہے ، اس کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ انگشتری نشانی دینا ، وہ تم کو بہ خوبی تمام مدینۂ منورہ پہنچا دے گا ۔

صاحب زادے وہ انگوٹھی لے کر آگے بڑھے ۔ ہے ہے ! تھوڑی دور جا کر پھر راہ بھولے ۔ جب صبح کا تارا چمکا اور آفتاب جہاں تاب نکلا ، یہ احوال پسر زیاد نے سنا کہ مشکور نے حضرت مسلم کے لڑکوں کو قید خانے سے بھگا دیا ۔ وہیں اس کو بلوا کر کہنے لگا کہ تو نے کس واسطے ان یتیموں کو بھگایا اور میرا ڈر نہ کیا ؟ اس نے کہا کہ اے مردود ! جو شخص اپنے خدا و رسول خدا سے ڈرتا ہے وہ کب کسی مخلوق سے ترس کرتا ہے ۔ سوائے اس کارخیر کے میں نے جناب محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا کو خوش کیا ۔

یہ بات سن کر اس بد انجام و ولدالحرام نے لوگوں سے کہا کہ اس کو ٹکٹی پر کھینچو اور پان سو کوڑے مارو ۔ جوں پہلا کوڑا مارا ، مشکور نے کہا "بسم اللہ الرحمان الرحیم" جب دوسرا مارا ، بولا "خداوند ! صبر جمیل عطا فرما" جب تیسرے کوڑے کی نوبت پہنچی ، یہ بات کہی "خداوند ! گواہ رہنا کہ مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے فرزندوں کی دوستی میں مارتے ہیں ؛ چوتھے کوڑے کے وقت بولا

”بار خدایا ! مجھے بخش!“ پانچواں کوڑا کھا کر کہنے لگا ، ”یااللہ میرا حشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و اہل بیت رسالت علیہ السلام کے ساتھ ہو۔“ غرض یہاں تک کوڑے مارے کہ تمام گوشت پوست اس کا روئی کے گلے کی طرح اڑنے لگا ۔ جب ٹکٹی سے آتارا جان بہ حق تسلیم ہوا ۔

اور وہ لڑکے تمام شب شہر کے گرد پڑے پھرے ؛ صبح ہوتے ہی ایک خرمے کے باغ میں جا چھپے ؛ وہاں ایک تالاب بہت بڑا اچھا خاصا دیکھا ، اس کے کنارے ایک درخت کے تنے میں جا بیٹھے ۔

تیسرے پہر ایک حبشن لونڈی ہاتھ میں آفتابہ لیے ہوئے اس درخت کے پاس آئی اور آن دونوں کا عکس پانی میں دیکھ کر گھبرائی ۔ رو رو کر کہنے لگی کہ اے صاحب زادو ! تم کون ہو اور یہاں کس واسطے ایسے حیران و پریشان بیٹھے ہو ؟

یہ بات سن کر وہ یتیم آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے کہ اے لونڈی ! تو ہمارے دوست داروں میں ہے یا بد خواہوں میں ؛ یار وفادار ہے یا دشمن جفا کار ؟ آس نے عرض کی کہ میں اہل بیت رسالت کی لونڈیوں سے ایک کنیز وفادار ہوں ؛ جناب فاطمہ کے بچوں پر جان و دل سے قربان و نثار ۔ اس بات کو سن کر وہ دونوں صاحب زادے کہنے لگے کہ ہم دونوں بھائی حضرت مسلم ابن عقیل کے فرزند جگر بند ہیں ، آہ کیا کہیں !

اس بات کے سنتے ہی وہ لونڈی آن کے پاؤں پر گر پڑی

اور کہنے لگی کہ اے شاہ زادو! سوائے میرے میری بی بی بھی تمہارے ہی خاندان پر جان و دل سے فدا ہے، تم میرے گھر چلو، آرام کرو۔

حاصل کلام اُن صاحب زادوں کو اپنے گھر لے گئی اور اس بات سے بی بی کو آگہی بخشی۔ وہ نیک بخت، مریم خصلت مارے خوشی کے آپ میں نہ رہی۔ ان دونوں یتیموں کو مقنعہ اڑھائے ہوئے ایک حجرے میں لے گئی؛ کھانا کھلا، پانی پلا، نرم نرم بچھونے پر سلا رکھا۔

ہے ہے! تھوڑی ہی دیر کے بعد اُس کا خاوند یعنی حارث لعین آیا۔ بی بی نے پوچھا کہ صاحب اتنی دیر تلک تم آج کہاں تھے؟ کہنے لگا ''بی بی! آج پسر زیاد نے حکم کیا تھا کہ جو کوئی حضرت مسلم کے یتیموں کو دارالامارت میں لاوے گا، گھوڑے جوڑے سے سرفراز ہووے گا، مرتبۂ عالی کو پہنچے گا۔ میں نے اُن کی جستجو میں یہاں تک دوڑ دھوپ کی کہ میرا گھوڑا سقط ہو گیا اور میں قریب ہلاکت کے پہنچا، پر اُن کو نہ پایا۔''

یہ بات سن کر بی بی نے کہا کہ اے کافر! خدا سے ڈر، رسول خدا سے شرم کر؛ تجھے حضرت محمد مصطفیٰ کے فرزندوں جگر بندوں سے کیا کام؛ کھانا کھا، آرام فرما۔ وہ ملعون دو چار نوالے زہر مار کر کے سو رہا۔

جب پہر رات گئی، بڑے بھائی محمد کی آنکھ کھلی، چھوٹے بھائی ابراہیم سے رو رو کر یہ بات کہی کہ بھیا! جلد اٹھو، یقین ہے کہ ہم کو بھی ماریں، آب شمشیر سے

جام شہادت پلاویں ، کیوں کہ میں نے ابھی خواب دیکھا ھے کہ باباجان حضرت محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا و حسن مجتبیٰ کے ساتھ بہشت بریں میں پھرتے ھیں ؛ اتنے میں جناب فیض مآب ، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم کو دیکھ کر فرمایا کہ اے مسلم ! تیرے دل نے ان کی جدائی کیوں کر گوارا کی جو ان بے چاروں ، فلک آواروں کو اُن ظالموں جفاکاروں میں تن تنہا چھوڑا ۔ بابا جان نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ! ابھی یہ دونوں میرے پیچھے آ پہنچتے ھیں ۔

یہ بات سن کر چھوٹے بھائی ابراھیم نے بھی کہا کہ خدا کی قسم ! میں نے بھی یہی خواب دیکھا ھے جو آپ نے ارشاد کیا ۔ اتنی بات کہہ کر وہ دونوں بھائی گلے میں بانہیں ڈال کر رونے لگے ۔

ھے ھے ! اُن کی آواز سن کر وہ کافر ، خدا نا ترس اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ جلد چراغ جلاؤ ۔ یہ بات کہہ کر آپ ھی اُٹھا اور ایک چراغ ھاتھ میں لے کر اُس حجرے میں چلا گیا ۔ ھے ھے ! اُن صاحب زادوں کو دیکھ کر پوچھنے لگا ”تم کون ھو ، کہاں سے آئے ھو ؟“ اُن یتیموں ، پنجۂ بلا کے گرفتاروں نے کہا کہ ہم مسلم ابن عقیل کے لڑکے ھیں ۔ اس بات کو سنتے ھی وہ ملعون خوش ھوا اور کہنے لگا :

بیت

یار تھا گھر میں جہاں کے گرد میں پھرتا رہا
تشنہ لب جگ میں پھرا کوزے میں میرے آب تھا

واویلا ! اس ستم گر سنگ دل نے کچھ ترس نہ کھایا اور اس زور سے طپانچے مارے کہ اُن کے رخ گل گوں کو نیلا کر دیا اور ایک کوٹھری، میں بند کیا ۔

جب صبح ہوئی ڈھال تلوار لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُن دونوں مظلوموں کی زلفیں باندھے ہوئے لب فرات پر پیادہ پا لے گیا ۔

پیچھے پیچھے اس کی بی‌بی اور لڑکا، غلام بھی جاپہنچے ۔ چاہتا تھا کہ ایک کو قتل کرے کہ بی‌بی نے دوڑ کر عرض کی ”برائے خدا ان کو نہ مار، خدا سے ڈر، اور رسول خدا کے فرزندوں سے شرم کر ۔“

ہے ہے ! وہ بی‌بی پاک دامن اُس کے پاؤں پر سر دھرے تھی اور یہ بیتیں پڑھتی تھی :

مثنوی

بے داد نہ کر تو ان کے اوپر
کر لطف بسان مہر مادر

بے کس ہیں یہ بے نوا بچارے
ہیں اپنے وطن سے یہ اوارے

اتنا نہ ستم تو ان پہ کرنا
بس آہ وفغاں سے ان کی ڈرنا

دکھیوں کی نہ اتنی بد دعا لے
یہ آگ گھڑی میں جگ جلا دے

کہ اُس کافر نے بی بی کو زخمی کیا اور اپنے غلام سے کہا کہ یہ شمشیر آب دار لے ، ان دونوں کو قتل کر ۔ غلام نے نہ مانا ؛ اس ملعون نے چاہا کہ اس کو بھی ہلاک کرے ۔ غرض ایک تلوار ایسی ماری کہ کھیرے ککڑی کی طرح کلائی اس کی اڑ گئی ۔ غلام نے غش کھایا ، تن سے ہاتھ جدا ہو گیا ۔

جب لڑکے نے دیکھا کہ یہ غلام میرا دودھ شریک بھائی ہے ، دوڑ کر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ کیا غضب کرتے ہو ، میرے بھائی کو نہ مارو ۔ اُس خدا نا ترس نے کہا کہ اے فرزند ارجمند ! بس اس تلوار سے تو ان دونوں کو مار ، ان کے سر ان کے تن زار سے اُتار ۔ لڑکے نے کہا ''واللہ! یہ کار بد انجام مجھ سے کبھی نہ ہوگا ۔'' اس کافر نے ایک تلوار اس کو بھی ایسی ماری کہ بلبل روح اس کی روضۂ رضواں کی طرف پرواز کر گئی ۔

ہے ہے ! ایسی طرح ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے اُن صاحب زادوں کے پاس آیا ۔ وہ غریب ڈر گئے اور کہنے لگے ''ہم کو نہ مار ، ہماری زلفیں منڈوا کر کسی کے ہاتھ بیچ ڈال تو بہت سا زر پاوے گا ، تیرا مدعا بر آوے گا ۔'' اس نے کہا کہ میں تمھیں بے قتل کیے ہرگز نہ چھوڑوں گا ۔ انھوں نے فرمایا کہ ہماری بے کسی و غریبی پر رحم کھا ۔ وہ کافر بولا کہ میرے جی میں رحم نہیں ۔

جب ان یتیموں ستم رسیدوں نے دیکھا کہ یہ ظالم ہمارے بے مارے نہ رہے گا ، مایوس ہوئے ، رو رو کر کہنے لگے کہ اتنی فرصت دے کہ وضو کر لیں ، نماز پڑھیں ۔

ہے ہے ! اس نے یہ بھی نہ مانا اور بڑے بھائی کی طرف دوڑا۔ چھوٹے نے کہا کہ اے کافر بد کیش، و اے ستم گر بد اندیش ! پہلے مجھے مار کہ میں اس کا داغ نہ اٹھاؤں۔ بڑے صاحب زادے نے فرمایا کہ اے ظالم جفا کار و اے کافر ناھنجار ! پہلے مجھے مار کہ میں اسے بے جان نہ دیکھوں۔ اور بی بی اس کی پڑی پڑی یہ حال اسی حالت غش میں دیکھتی تھی اور رو رو کر یہ نوحۂ جاں کاہ زبان حال سے ادا کرتی تھی :

نوحہ

حارث کی یہ بی بی نے کہا اس گھڑی رو کر، اے کافر بے درد !
یہ طفل ھیں، معصوم ھیں، ٹک رحم کر ان پر، اے کافر بے درد !

کیوں کھینچتا ہے زلفوں کو ان بچوں کی ھر دم، کر خوف خدا کا
لیتا ہے وبال ان کا عبث آج تو سر پر، اے کافر بے درد !

یہ درد یتیمی میں گرفتار ھوے ھیں، مرنے سے پدر کے
کیوں ان کو دکھاتا ہے تو اب کھینچ کے خنجر، اے کافر بے درد !

لازم ہے تجھے ان کی یتیمی پہ کرے رحم، اور قتل سے باز آئے
ھیں برج ولایت کے یہ دونوں مہ انور، اے کافر بے درد !

یہ مر رہے ھیں گردش افلاک سے آپ ھی، دم ان میں نہیں ہے
ھردم نہ ڈرا تو انھیں تلوار دکھا کر، اے کافر بے درد !

کُرتے نہ اتار ان کے نہ کر تو انھیں عریاں، مت خاک پہ بٹھلا
بستر تھا سدا ان کے لیے دامن حیدر، اے کافر بے درد !

غصے سے نکال ان پہ نہ تو دیدۂ پُر قہر، یہ جانتے ھیں سہمے
قاتل نہ ھو ان کا کہ یہ ھیں جان پیمبر، اے کافر بے درد !

دنیا کے لیے دین کو تو ہاتھ سے مت دے ، یہ بات مری مان
سمجھاتی ہوں دل سوزی سے میں دل جلی رو کر اے کافر بے درد !

القصہ کیا قتل انھیں اس نے ستم سے ، پتھر نہ پسیجا
ہر چند وہ کہتی رہی با حالت مضطر ، اے کافر بے درد !

اے حیدری ! یہ فعل زبوں اس کا جو دیکھا ، خلقت نے خدا کی
حارث سے کہا ، قہر خدا کا پڑے تجھ پر ، اے کافر بے درد !

غرض اس ملعون بے حیا نے پہلے بڑے بھائی محمد کو شہید کیا ، تن نازنین اس کا دریائے فرات میں ڈال دیا ؛ بعد اس کے چھوٹے بھائی ابراهیم کو جام شہادت پلایا ، تن مبارک اس کا بھی دریائے فرات میں بہا دیا ۔

انّا للہ و انّا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساتویں مجلس حضرت حر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی

ہیں وہی آنکھیں جو روویں بہر شاہ کربلا
ہے وہی دل جس میں ہو آل عبا کا غم بھرا

مومنو سب سے یہی بہتر ہے عقبیٰ کے لیے
کیجیے شبیر کی خاطر بہ دل آہ و بکا

اے مومنو ، آگاہ دلو ! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت حر ، تمھارے آقا کے فدیے کی شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ اس کی جاں نثاری پر دھیان کرو ، گوہر اشک صدف چشم سے بہاؤ :

نظم

آتش دوزخ سے گر رکھے ہے بچنے کا دھیان
ماتم شبیر میں اے دل تو رہ نوحہ کناں

ساقیٔ کوثر سے ہے گر جام کوثر کی آمید
تو حسین تشنہ لب پر اپنے کر آنسو رواں

دیکھ ٹک بندہ نوازی حضرت شبیر کی
آن میں حر کو دیا خلد بریں سا بوستاں

جوں کہا اس نوجواں نے شاہ دیں سے آن کر
بخش دے میری خطا اے شافع ہر دو جہاں

سامنا تیرا کیا میں نے خطا کی یہ بڑی
ہے غضب جاؤں کہاں اب چھوڑ کر یہ آستاں

آسرا مجھ کو نہیں اب تیری بخشش کے سوا
کر خطا میری عطا اے حامیٔ کون و مکاں

بات کرتے بخش دی شبیر نے اُس کی خطا
تو نے دیکھا ہے کوئی ایسا کریم و مہرباں

بخشوا کر اپنے تئیں اُس صاحب ایمان نے
شاہ کے قدموں پہ سر قرباں کیا اے مومناں!

ہے توقع حیدری کو بھی اُسی کی ذات سے
رحم کھا کر بخش دے اُس کے گناہ بے کراں

اے مومنو، درد و الم کے مارو، اے آل عبا کے ماتم دارو، نیک نہادو! اپنے آقا کے فدیے یعنی حضرت حر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا احوال سنو، گریبان صبر گل کی طرح چاک کر ڈالو، اُس مسافر دار البقا کے واسطے آنسو بہاؤ۔

بعضے بعضے اہل دلوں، والا صفاتوں نے اس ماجرائے ہوش ربا اور اس احوال جاں گزا کو یوں بیان کیا ہے کہ ماہ محرم ہر ایک مہینے سے بزرگ تر ہے اور جناب امام حسین علیہ السلام ہر ایک بشر سے محتشم و عالی قدر۔

ھے ھے! آن بدبختوں، جاھلوں اور آن منافقوں، سنگین دلوں نے نہ آس مہینے کی حرمت کی، نہ آس شافع کون و مکاں کی بزرگی و سرداری پر نظر رکھی - بے شک و شبہ ماہ محرم ھر ایک مہینے سے بزرگ کہلاتا ھے -

واویلا! روز جمعہ سب روزوں سے بہتر و والا ھے - ھے ھے! اور وقت نماز جمعہ محل اجابت دعا کا - وامصیبتا! ایسے مہینے اور ایسے روز اور ایسے وقت وہ بے دین ایسے امام دنیا و دیں کے قتل کرنے کا قصد کریں، ایسے روز بزرگ و وقت نیک میں ایسے امام دوجہاں کے رخسارہ نازنیں خاک و خوں سے بھریں - غضب پڑے آن پر کہ ایسے وقت ایسے سلطان والا دودمان کا سر نیزے دھریں اور اس کا خیمۂ امامت و کرامت آتش دشمنی سے جلاویں -

راوی یوں بیان کرتا ھے کہ جس وقت لشکر اعدا و فوج اشقیا نے صف آرائی کی، سپاہ سید الشھدا اس میں گھر گئی - پس اس کی بے کسی و مظلومی اور اس جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ کی تنہائی و ناچاری یاد کرو، خون دل چشمۂ چشم سے بہاؤ:

بیت

ھے سخاوت سب پہ ظاھر حضرت شبیر کی
ھے شہادت سب پہ ظاھر حضرت شبیر کی

اے یارو! اپنے آقا کی شجاعت و جواں مردی دیکھو، آس کے رفیقوں، ھوا خواھوں کی جاں نثاری و دلاوری پر دھیان کرو - ان مظلوموں، بے کسوں کے حال زار پر روؤ،

دریاے سرشک چشمۂ چشم سے بہاؤ ۔

روایات جاں گزا کے بیان کرنے والوں اور حکایات حیرت افزا کے لکھنے هاروں نے اس احوال پر ملال کو صفحۂ بیان پر یوں لکھا ھے کہ شھر محرالحرام کی دسویں تاریخ ، صبح کے ھوتے ھی عمر سعد ملعون نا میمون اپنی تمام فوج رو سیاہ کو مکمل کر کے سوار ھوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر فتح اثر کے سامنے آیا ؛ اپنے لشکر گم‌راہ کو ترتیب دینے لگا ؛ اپنے لشکر کی داھنی طرف عمر ابن حجاج کو کھڑا کیا اور شمر ذی الجوشن کو بائیں طرف رکھا ؛ نشان ضلالت ولواے شقاوت دربد اپنے غلام کو دیا ؛ هزار سوار جرار دریاے فرات پر تعین کیے ؛ اس لیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس میں سے کوئی ایک بوند پانی نہ لینے دیوے ۔

چار هزار جوان کماں دار و خوں خوار اس کافر بے دین و بد آئین کے فرمانے سے جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کے خیمۂ مطہر کے رو بہ رو جا کھڑے ھوے ۔ تمام غلام ولدالحرام و سارے سردار بد انجام اپنے ساتھ لے کر مستعد جنگ ھوا ۔ ھے ھے ! بعد آراستہ ھونے اس لشکر بدشعار کے عمر سعد ملعون و مردود کے کہنے سے وہ سب کے سب از بس کہ بے شرمی و بے حیائی سے اس سپاہ ملائک پناہ ، مقرب بارگاہ اللہ کی طرف متوجہ ھوے ۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کی بے حیائی و بد نہادی مشاهدہ کی ، جناب کبریا کی طرف رجوع لائے اور

دعا مانگی : ''خدا وندا ! حسین سوائے تیری رضا جوئی کے اور کچھ نہیں چاھتا ، صبر جمیل عطا فرما ۔'' بعد اس کے ھاتھ آٹھا کر سورۂ فاتحہ پڑھا ، ان کا مقابلہ کیا ۔

اس وقت حضرت حر عمر سعد کے پاس آئے اور کہنے لگے ''اے کافر ! سچ کہہ ، کیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام سے خواهی نخواهی لڑے گا ، آس سرور سینۂ محمد مصطفیٰ و جگر بند علی مرتضیٰ پر تیغ عداوت کھینچے گا ؟''

آس ملعون خدا نا ترس نے جواب دیا کہ البتہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ کروں گا ؛ آس کو اور آس کے یاروں ، فرزندوں ، اقرباؤں ، ھوا خواھوں کو شربت شہادت پلاؤں گا ؛ سچ جان کہ آس کے گروہ سے ایک متنفس کو جیتا نہ چھوڑوں گا ۔ آرزو ھے کہ ان سبھوں کو قتل کروں ، ان کے خون چکاں کو نوک سناں پر دھروں ، اھل بیت نبوت کا خیمۂ ملک طواف آتش سوزاں سے جلاؤں ، اھل حرم رسالت کو قید کروں ، اونٹوں پر بٹھلاؤں ، شہر شام کی طرف بھجوا دوں ۔

یہ بات سن کر حضرت حر نے رو دیا اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہہ کر فرمایا کہ ھے ھے ! یہ کیا قساوت قلبی اور یہ کیا عداوت ذاتی ھے جو یہ ملعون ظاھر کرتا ھے ۔؟ بس وھاں سے گھوڑا آٹھا کر اپنی فوج میں جا کھڑے ھوے ، لیکن بید کی طرح کانپتے تھے ۔

یہ احوال دیکھ کر آس ملعون کی سپاہ گم راہ گر ، جواں مردوں ، بہادروں نے حضرت حر سے کہا کہ اے حر !

تو ایک شخص صاحب شجاع ہے ، میدان دلیری و جواں مردی سے گوے بہادری لے گیا ہے ، آیا آج کیا ہے جو اس قدر تھرتھراتا ہے اور بدحواس ہوا جاتا ہے ؟

حضرت حر نے فرمایا کہ اے کافرو ، بدنہادو و اے ظالمو ، خدا نا ترسو ! میں اس گھڑی بہشت بریں و اسفل السافلین کو دیکھتا ہوں ، نہیں معلوم کہ دل میرا کس کو قبول کرے ، کس کی طرف متوجہ ہووے ۔

سبحان اللہ ! اتنی بات کہتے ہی اپنا باد پیما اٹھایا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر فتح پیکر کی طرف متوجہ ہوئے ؛ جب قریب پہنچے ، گھوڑے سے اتر پڑے ، ہتھیار کمر سے کھولے ، سر و پا برہنہ ہوکر روتے اور آہ و فغاں کرتے ہوئے آگے بڑھے ۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب عباس علیہ السلام سے کہا کہ برادر بہ جان برابر و اے علم دار حسین بے پر ! حر ہماری یاری و مددگاری کے واسطے آتا ہے ، تم اس کے استقبال کو آگے جاؤ ، اعزاز و اکرام سے لے آؤ ۔

جناب عباس علی علیہ السلام اس کے لینے کی خاطر پیشوا گئے ، بڑی عزت و حرمت سے لے آئے ۔

حضرت حر آتے ہی جناب امام حسین علیہ السلام کے قدم مبارک پر گر پڑے اور فریاد و زاری کر کے کہنے لگے ”یا ابن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ! آپ کا نانا جان رحمة اللعالمین ہے اور جناب والا بھی کریم ابن کریم

ھیں ؛ پس اس غلام کی تقصیر معاف کریں ؛ اپنے غلاموں ، ہوا خواھوں میں داخل کر کے نظر رحمت سے سرفراز فرمائیں ۔''

قطعہ

در پہ آیا ھوں ترے اس آرزو پر اے کریم !
بخش دے میری خطا بہر رسول کبریا
روے رحمت مت پھرا میری طرف سے اس گھڑی
رحم کر مجھ پر برائے شافع روز جزا

یہ الحاح و زاری دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ اے حر ! اگرچہ بندہ گنہ گار ھے اور اپنے اعمالوں میں گرفتار ، لیکن جب توبہ کرتا ھے ، حق سبحانہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ھے ، درجۂ اعلیٰ کو پہنچاتا ھے میں نے تیری خطا معاف کی ، حق تعالیٰ جزائے خیر دیوے تجھے اس معذرت کی ۔

جوں یہ کلام خیر انجام حضرت حر رضی اللہ عنہ نے جناب امام حسین علیہ السلام کی زبان معجز بیان سے سنا ، ایک جی کیا ہزار جان سے نثار ھو کر التماس کیا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! اب مجھے اجازت فرما کہ میں اس میدان جاں ستاں میں جاؤں ، ان کافروں ، بد نہادوں کو ماروں یا اپنا سر تیرے قدم مبارک پر نثار کروں ۔ یہ بات اس واسطے عرض کرتا ھوں کہ پہلے یہی گنہ گار تجھ سے شافع روز شمار کے ساتھ لڑنے آیا تھا ؛ اب جی چاھتا ھے کہ یہی بندہ ادھر سے بھی مقرب

حضرت سبحان کے ہوا خواہوں ، جاں نثاروں میں شمار کیا جاوے ۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ حر کسی طرح نہ رہے گا ، ایک خلعت فاخرہ منگوایا اور کفن کی طرح اسے چاک کر کے حضرت حر کو پہنایا ، حرب گہ کی طرف روانہ کیا ۔

سبحان اللہ ! جس وقت حضرت حر اس میدان قتال میں رونق افزا ہوے ، اپنے اسپ بادپا کو چھیڑ کر فوج اعدا کے رو بہ رو جا کھڑے ہوے اور یہ قطعہ بہ‌طور رجز کے پڑھنے لگے :

قطعہ

میں کروں جس دم شجاعت اپنی میداں میں نمود
تیغ براں سے کروں اک دم میں دشمن کو تمام
برگزیدہ ہوں میں مقبولوں کا گو ہوں سانولا
ہوں مقرب بادشاہوں کا اگرچہ ہوں غلام
ہو پیمبر کی شفاعت سے مری کل مخلصی
آج اس جام شہادت سے مرا بر آئے کام

واہ واہ! اس جوان جرار نے سیکڑوں کو مارا ، ہزاروں کا خرمن ہستی اپنی تیغ آب دار کے شعلۂ جاں ستاں سے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا ۔ جس طرف گھوڑا اٹھا کر جاتے تھے ایک عالم کو تہ و بالا کر دیتے تھے ۔ غرض یہاں تلک لڑے کہ آپ بھی زخمی ہو کر اس میدان قتال میں اپنے

اسپ باد پا سے گرے ، پکار کر کہنے لگے ''یا ابن رسول خدا ! ادرکنی'' جلد خبر لو میری ۔

اس آواز جاں گزا کے سنتے ہی حضرت امام حسین علیہ السلام جناب حر کے پاس آئے اور گھوڑے سے اُتر کر ان کا سر اپنے زانو پر دھر کے رخ گرد آلود سے گرد و غبار پونچھنے لگے ۔

اس وقت حضرت حر نے آنکھیں کھول دیں اور یہ بات کہی کہ یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ! اس غلام وفادار سے راضی ہوئے ؟ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ میں تجھ سے راضی ہوا ؛ اس وفاداری کا اجر عظیم دیوے تجھے اللہ تعالیٰ ! اور فرمایا کہ اے حر ! اس وقت تم کیا دیکھتے ہو ، کس کو مشاہدہ کرتے ہو ؟

حضرت حر ہنسے اور کہنے لگے کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! تجھ پر نثار ہونے سے دیکھتا ہوں کہ تمام حوران بہشت شربت کے جام اپنے اپنے ہاتھوں پر دھرے حاضر ہیں ۔

ہے ہے ! اتنی بات کہتے ہی بلبل روح اس جوان بہشتی کی خلد بریں کی طرف پرواز کر گئی ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کے حق میں دعائے خیر کی اور اس نوحے کی آواز چاروں طرف سے ہر ایک نے سنی :

نوحہ

اے یارو یہ فدیہ تھا حسین ابن علی کا ، حر کہتے ہیں جس کو
شبیر کے ہے قدموں پہ سر اس نے کٹایا ، حر کہتے ہیں جس کو

وہ تشنہ لب و خستہ جگر دشت بلا میں ، شبیر کی خاطر
سر دے کے سوئے حیدر کرار سدھارا ، حر کہتے ہیں جس کو

وہ یار و وفادار تھا اور صاحب ایمان ، جو از رہ همت
عقبیٰ کے لیے دھیان میں کچھ لایا نہ دنیا ، حر کہتے ہیں جس کو

افضال الٰہی سے یہ رتبہ ملا اس کو ، در جنگ مخالف
سیراب ہوا جام شہادت سے وہ پیاسا ، حر کہتے ہیں جس کو

شبیر کے دامان محبت کو نہ چھوڑا ، اور ہاتھ کٹائے
ہاں سچ ہے یہ تھا حوصلہ باللہ اسی کا ، حر کہتے ہیں جس کو

جا کر کہا دروازے پہ جنت کے یہ اس نے ، حیدر سے یہ کہہ دو
شبیر کے لشکر سے وہ مجروح ہے آیا ، حر کہتے ہیں جس کو

حوروں نے کہا رو رو کے یہ شیر خدا سے ، کیا بیٹھے ہو صاحب
وہ لے کے خبر آپ کے بیٹے کی ہے آیا ، حر کہتے ہیں جس کو

زخموں سے بدن چور ہے ، پیشانی ہے ٹکڑے ، ہے خون میں ڈوبا
سر اس کے بندھا زہرا کا رومال ہے شاہا ، حر کہتے ہیں جس کو

حیدر نے یہ رو رو کہا اس وقت نبی سے ، کیا عرض کروں میں
شبیر نے اس اپنے ہراول کو ہے بھیجا ، حر کہتے ہیں جس کو

احمد نے یہ سنتے ہی گریبان کو پھاڑا ، پھر آنسو بہا کر
اک حور کو فرمایا کہ جا اس کو بلا لا ، حر کہتے ہیں جس کو

اب تاب نہیں حیدری کے دل کو عزیزو ! تحریر کرے کیا
احوال جو کچھ اس نے پیمبر کو سنایا ، حر کہتے ہیں جس کو

انّا للہ و انّا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آٹھویں مجلس حضرت قاسم ابن امام حسن علیہ السلام کے شہید ہونے کی

قطعہ

یاد میں شبیر کی رو زار زار
آبرو جس آب سے ہو آشکار
جو کہ ہے نامہ گناہوں سے بھرا
دھولے اس پانی سے جلد اے ہوشیار

اے مومنو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت قاسم لخت جگر جناب امام حسن علیہ السلام کے شہید ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نظم

چشم گر اس پر پڑے چرخ کہن رونے لگے
مرغ و ماھی تک ہر اک ہو نعرہ زن رونے لگے
ہے کہاں زہرا کہ جام زہر دشمن کر کے یاد
مثل زہرہ چرخ پر بہر حسن رونے لگے

تھے وہ لب رشک عقیق اس کے ہوے زنگار فام
گر سنے یمنی تو دو خونی کفن رونے لگے

ریزۂ الماس دیکھے اس کے لب پر گر عقیق
بہہ چلے خوں کی طرح دُرِّ عدن رونے لگے

گر سنے اس کا جگر ٹکڑے ہوا ہے زہر سے
تیر خوں باری کرے ہر مرد و زن رونے لگے

حضرت موسیٰ سنے گر یہ بیان جاں گزا
تو عجب کیا ہے کرے نیلا بدن رونے لگے

گر سنیں حضرت حسن قاسم کے مرنے کی خبر
یاں تلک رووبں کہ ہر یک موے تن رونے لگے

سن کے اس دولھا کی ماں کی گریہ وزاری نہ پوچھ
بہہ چلے دریا اُبل کر اور بن رونے لگے

کس طرح احوال قاسم حیدری کیجے رقم
خون دل اُس غم میں اب میرے نین رونے لگے

اے مومنو ، شادی و غم کے دریافت کرنے والو ، و اے نیک نہادو ، بزم سرور و الم کے زیب دینے هارو ! حضرت قاسم علیہ السلام کے شہید ہونے کا احوال سنو ، اپنے تئیں اس رنج و الم میں قریب ہلاکت کے پہنچاؤ ۔

کہتے ہیں کہ حشر کے دن دو دفعہ اس زور شور سے پکار پکار کے کہیں گے کہ تمام اہل محشر دہل اٹھیں گے ۔ پہلے یوں کہیں گے کہ اے میدان حشر کے لوگو ! اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ یحییٰ معصوم و مغموم گزرتا ہے ۔

گنہ گار اس بات سے خجل ہو کر اپنا سر جھکا دیں گے ، مقرب بارگاہ الٰہی خوش ہوں گے ۔

دوسری بار یوں منادی کریں گے کہ اے ہنگامۂ محشر کے لوگو ، کیا عورتو ، کیا مردو ! اپنی اپنی آنکھیں بند کرو کیوں کہ خاتون دو جہاں و معصومۂ کون و مکاں سرور سینۂ محمد مصطفیٰ فاطمہ زہرا تشریف لاتی ہے ۔

عالموں فاضلوں نے یوں بیان کیا ہے کہ عورتوں کو جو آنکھیں بند کرنے کا حکم ہوا ، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ کیا عورتیں بھی عورتوں سے نامحرم ہوتی ہیں ۔

بات یہ ہے کہ وہ نور دیدۂ محمد مصطفیٰ اور وہ سرور سینۂ شافع روز جزا اس حالت پر ملالت سے میدان قیامت میں گزرے گی کہ کسی کو اس کے مشاہدہ کرنے کی تاب و طاقت نہ رہے گی ۔ چناں چہ داہنے کاندھے پر حضرت امام حسن علیہ السلام کا پیراہن سبز زہر ہلاہل سے بھرا ہوا رکھے ، اور بائیں کاندھے پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبائے سرخ خون پاک سے تربتر دھرے ، ہاتھوں میں جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام کی دستار خوں آلود لیے ہوئے میدان حشر میں تشریف لاویں گی اور اس درد کے صدمے سے اس قدر روویں گی کہ تمام فرشتے رونے لگیں گے ؛ انبیا اوصیا کرسی سے گر پڑیں گے ، بہشت بریں میں حوریں اپنی حالت تباہ کریں گی ، رو رو کر پچھاڑیں کھاویں گی ، اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام عرش بریں کا

پایہ پکڑ کر بہ گریہ وزاری کہیں گے ”الٰہی! میری داد دے ، میرے فرزندوں کے قاتلوں سے بدلا لے ۔“

وونہیں حضرت جبرئیل امین فریاد و فغاں کرتے ہوئے جناب فیض مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت والا میں جاویں گے اور کہیں گے کہ یا رسول خدا ! حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام ایک پیرہن سبز زہر سے بھرا اور ایک سرخ خون پاک سے ڈوبا ہوا اپنے کندھوں پر دھرے عرش اعلیٰ کے نیچے کھڑی روتی ہے اور داد چاہتی ہے ؛ قریب ہے کہ دریائے قہر الٰہی جوش کھاوے ، آتش غضب ربانی بھڑک اٹھے ؛ اگر اس وقت تشریف نہ لے چلو گے تو خدا جانے کیا ہو جاوے ، کیسا غضب پڑے ۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منبر سے اتر کر عرش اعلیٰ کے نیچے تشریف لاویں گے ۔ جناب خاتون قیامت سے کہیں گے کہ اے جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ احمد مجتبیٰ ! آج کا دن داد دینے کا ہے نہ فریاد کرنے کا ؛ یہ روز بخشوانے کا ہے نہ غضب دلانے کا ۔ بابا جان آج کا دن گرتوں کو سنبھالنے کا ہے نہ غریبوں کے خاک میں ملانے کا ۔ اے جان پدر و اے روح روان پدر ! لازم ہے کہ میں مظلوموں کو بخشواؤں ، تم ظالموں پر رحم کھاؤ ۔

اس بات کے سنتے ہی جناب فاطمہ زہرا حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کریں گی ، ”بابا جان ! کیا کروں ، جب حسین پیارے کا

پیراھن خوں آلود دیکھتی ہوں سینہ پھٹا جاتا ہے ۔ ھے ھے! اسی طرح جب حسن جانی کا پیراھن زھر ھلاھل سے بھرا ھوا مشاھدہ کرتی ہوں ، الہاس غم سے کلیجا چھلنی ھوا جاتا ھے ، سارا جہان آنکھوں میں تیرہ و تار نظر آتا ھے ۔"

اُس وقت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد کریں گے کہ اے جان پدر و اے روح روان پدر ! اس پیراھن خوں آلود کو اُٹھا اور یہ بات کہہ کہ خداوندا ! میرے حسین شہید دشت کربلا کے خون ناحق کے بدلے جنھوں نے میرے فرزندوں جگر بندوں کو عزیز رکھا ہے اور اُن کی محنت و مصیبت پر تہہ دل سے ماتم کیا ھے ، ان غریبوں ، غم کشیدوں کو بخش ! پس اے نور دیدۂ محمد و اے سرور سینۂ محمد ! جلد چل ، کیوں کہ تمام عاصیوں گنہ گاروں کی چشم میری طرف نگراں ھے ۔ تم لہو بھرا کرتا اٹھاؤ ، ھم خاک بھری اپنی زلفیں کھولیں ؛ تم اپنے دل خستہ کی وساطت سے رو رو کر بخشواؤ ، ھم اپنے دندان شکستہ کے بدلے چھڑاویں ، بہار جنت دکھلاویں ۔

یہ روایت حدیث شریف سے ثابت ھے کہ قیامت کے روز حضرت امام حسین علیہ السلام لہو بھرے چہرے سے میدان حشر میں تشریف لاویں گے اور اپنی زبان مبارک سے فرماویں گے کہ اے پروردگار و اے مالک روز شمار ! جو کوئی میرے حال زار پر رویا ھے اُس کی شفاعت میرے ذمے کر ، اور جو کوئی میری بے کسی و بے بسی ،

غریبی و مظلومی ، تشنگی و گرسنگی پر چشم پُر آب ہوا ہے ، اُس کی برات نجات میرے ہاتھ ہووے ۔

یہ دعا جناب سیدالشہدا کی درگاہ الہٰی میں قبول ہوگی ، محل اجابت کو پہنچے گی ۔ حکم ہوگا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے دوستوں ، ہوں ، ماتم داروں ، غلاموں کی فرد نجات دفتر قبول میں داخل کرو ، اُن کو بہشت بریں میں لے جاؤ ۔

بیت

اشک جاری گر کرے بہر حسین
سب گنہ بخشیں ترے بہر حسین

حکایات جہاں کاہ کے بیان کرنے والوں ، روایات ہوش ربا کے لکھنے ہاروں نے اس احوال پرملال کو صفحۂ حال پر قلم اشک بار سے یوں لکھا ہے کہ جس وقت حضرت قاسم ابن جناب امیرالمومنین امام حسن علیہما السلام ۔ دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ‌السلام کے تمام یاروں ، ہواخواہوں ، بھائیوں ، عالی دودمانوں نے جام شہادت سے اپنے تئیں سیراب کیا ، مرتبۂ عالی کو پہنچایا ، جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوے ؛ رو رو کر کہنے لگے کہ اے عم بزرگوار و اے سرور سینۂ احمد مختار ! مجھے بھی اجازت حرب ہووے کہ اپنے اس دل تشنہ کی بھڑاس نکالوں ، اُن کافروں ستم گروں سے بھائیوں ، ہواخواہوں کا بدلا لوں ، اُس قوم جفاکار کا جواب تیغ آب دار سے دوں ۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کلیجا تھام کر فرمانے لگے کہ اے جان عم و اے راحت افزائے دل پر غم ! تو میرے بڑے بھائی کی نشانی و یادگار ہے اور میرے دل بے قرار کا مونس و غمخوار ۔ ہے ہے! کس منہ سے اجازت دوں، کس دل سے یہ بات کہوں ۔ اے قاسم ! تجھے کس طرح میدان جاں ستاں میں بھیجوں ، تیری مفارقت کیوں کر گوارا کروں ۔

اے محبو ، اشکبارو و اے مومنو، دل فگارو ! جس وقت حضرت قاسم علیہ السلام نے اجازت حرب نہ پائی اور جناب امام حسین علیہ السلام کے تمام لشکر فتح پیکر میں لڑائی کی تیاری ہونے لگی ، خیمۂ عصمت میں تشریف لائے اور زانوے غم پر سر مبارک دھر کے رونے لگے ۔

اتنے میں یاد آیا کہ میرے بابا جان نے ایک تعویذ لکھ کر میرے بازو پر باندھ دیا تھا اور زبان معجز بیان سے ارشاد کیا تھا کہ اے نور دیدۂ حسن و اے سرور سینۂ حسن ! جس وقت تو رنج و بلا میں گرفتار ہووے ، درد و الم تجھ پر غلبہ کرے ، اس وقت اس تعویذ کو کھولنا ، اس کے لکھے پر عمل کرنا ۔ پس اے قاسم ! اب اس کے سوا اور کون سا وقت مصیبت ہوگا ، اس سے زیادہ اور کیا حادثہ پڑے گا ۔

ونہیں اپنے بازو سے وہ تعویذ کھولا ؛ دیکھا اس میں کہ حضرت امام حسن علیہ‌السلام نے اپنے دست مبارک سے لکھا ہے کہ اے قاسم ! میں وصیت کرتا ہوں تجھے ، اور باربار کہتا ہوں تجھے ، خبردار ! جس وقت تو اپنے چچا جان حضرت امام حسین سبط پیمبر آخرالزمان کو دشت کربلا میں

شامیوں دغابازوں ، کوفیوں جفاکاروں کے ھاتھ سے تنگ دیکھے ، پہلے اپنا سر اُس کے قدم مبارک پر نثار کرنا ؛ اپنی جان عزیز اُس راحت جان فاطمہ کی جان پر قربان کرنا ۔ اگرچہ وہ راحت بخش دل غمگین محمد مصطفیٰ اور وہ سرور افزاے جان مضمحل جناب فاطمہ زھرا تجھے منع کرے گا ، پر تو بہ منت و زاری پیش آنا ، اپنا سر اُس کے قدم مبارک پر کٹا ھی دینا ۔

بیت

خنجر عشق سے جو رہ میں ھوا اُس کے شہید
وہ ھوا خون میں بس اپنے غریق رحمت

حضرت قاسم نے جوں اس نامۂ فیض شمامہ کو پڑھا ، مارے خوشی کے آپ میں نہ رھے ۔ جناب امام حسین علیہ‌السلام کی خدمت فیض درجت میں حاضر ھوے اور نوشتہ پند و نصایح کا بھرا ھوا حضور پرنور میں دھر کر التماس کیا کہ اے عم بزرگ وار و اے راحت افزاے دل درد مند حیدر کرار! جو اس میں لکھا ھو اس کے موافق ارشاد فرمائیے اور بندے کو سرفراز کیجیے ۔

جناب امام حسین علیہ‌السلام نے اس خط کو دیکھتے ھی ایک آہ سرد اپنے دل پردرد سے کھینچی اور چھاتی تھام کر یہ بات کہی کہ اے جان عم و اے روشنی بخش دیدۂ پرنم ! تم یہ چاھتے ھو کہ اپنے پدر بزرگ وار کی وصیت پر عمل کرو اور داغ جدائی حسین بے کس کے دل داغ دار پر دھرو ؟

یہ بات کہہ کر جناب قاسم سے فرمانے لگے کہ اے جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! میں بھی اپنے بھائی جان کی وصیت ادا کیا چاہتا ہوں ۔ بہتر ہے کہ اب یہاں سے خیمۂ اہل بیت رسالت میں چلیں ، ہم تم اُس کی وصیت پر عمل کریں ۔ حاصل کلام حضرت قاسم کو خیمۂ عصمت میں لے گئے ۔

اپنے بھائی عون و عباس علی علیہ‌السلام کو بلوایا ، اُن کے سامنے مادر قاسم سے فرمایا کہ اس وقت میرے قاسم کو شہانے کپڑے پہناؤ اور بی بی زینب علیہا السلام سے ارشاد کیا کہ جلد حضرت امام حسن علیہ السلام کا دست بقچہ لاؤ ، وہیں حاضر کیا ۔

جناب امام حسین علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے کھولا اور حضرت امام حسن علیہ‌السلام کا ایک خلعت فاخرہ جناب قاسم کو پہنایا ، اپنے ہاتھوں بنا بنایا ، عمامۂ مرصع اُس نویلے بنڑے کے سر مبارک پر رکھا ، جناب حضرت امام حسن کی وصیت کے بہ موجب بی بی فاطمہ کبریٰ کو جناب قاسم سے بیاہ دیا ۔

عقد خوانی کر کے فرمایا کہ اے نور دیدۂ عم و اے سرور افزائے دل پرغم ! آج تلک یہ امانت تیری میرے پاس تھی ، اس وقت تیرے حوالے کی ۔ اتنی بات کہہ کر خیمۂ عصمت سے باہر تشریف لے گئے ۔

حضرت قاسم اسی طرح سے بنے بنے تخت عروسی پر بیٹھے رہے ؛ کبھی اُس دلہن کا دست حنائی پکڑ کر چہرۂ نورانی

دیکھتے ، کبھی سر مبارک جھکا کر آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ۔

ہے ہے ! اتنے میں عمر سعد ناپاک کے لشکر بدگہر سے یہ آواز آئی کہ ہے کوئی جوان ہاشمی جو لڑنے آوے ، میدان کار زار میں قدم جرأت رکھے !

اس بات کے سنتے ہی حضرت قاسم علیہ السلام تاب نہ لا سکے ۔ اس عروس غم‌گیں کے پاس سے آٹھ کھڑے ہوے ؛ چاہتے تھے کہ میدان جاں ستاں میں جاویں کہ دلھن نے دامن مبارک پکڑ لیا اور رو رو کر ارشاد کیا :

بیت

یہ کہو کیوں آٹھ چلے پہلو سے میرے زود تر
کس لیے جاتے ہو صاحب مجھ کو تنہا چھوڑ کر

یہ بات سن کر حضرت قاسم چشم پر آب ہوے ؛ رو رو کر فرمانے لگے کہ اے نور دیدۂ عم بزرگوار و اے سرور سینۂ احمد مختار ! اس وقت میدان پربلا میں جایا چاہتا ہوں اور قصد اس بات کا رکھتا ہوں کہ آل عبا کے دشمنوں کا نام و نشان صفحۂ جہاں سے یک قلم مٹادوں ، ان کافروں کو پردۂ دنیا سے اٹھادوں ۔ برائے خدا میرا دامن نہ پکڑو ، جلد جانے دو ، اب ہماری تمھاری ملاقات روز حشر پر موقوف رہی ۔

یہ بات کہہ کر رونے لگے اور یہ دو تین بیتیں زبان مبارک پر لائے :

نظم

اٹھا غبار جو دشت بلا سے بس یک بار
چمن میں گل رکھے اس نے نہ باغ میں اشجار

اٹھا جو بحر تلاطم سے ابر خوں افشاں
برس کے کردیے ایک اس نے دشت و کوہ و دیار

جفا کے دشت سے باد صبا بھی ایسی
رکھا نہ دھر میں کچھ جس نے غیر گرد و غبار

صدا جو غیب سے اب میرے کان میں آئی
ندائے یار وہ یوں ہے میں کیا کروں اظہار

کہ مرحبا تجھے اے چرخ ، آفریں اے زمیں
دلھن کو ایسے ہی دولھا سے دے سہاگ و سنگار

یہ کلام درد آمیز اور یہ سخن مصیبت خیز سن کر اس عروس ناشاد نے رو دیا اور کہا کہ اے قاسم ! اگر ہماری تمھاری ملاقات فردائے قیامت پر موقوف رہی تو ہم تمھیں کہاں ڈھونڈیں گے ، کس نشان سے پاویں گے ؟

حضرت قاسم نے فرمایا کہ مجھے نانا جان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس تلاش کرنا ، اسی پھٹی ہوئی آستین سے پہچاننا ۔ اتنی بات کہہ کر دست مبارک بڑھایا ، آستین کو پھاڑ کر اپنی دلھن کے حوالے کیا ۔ تمام اہل بیت رسالت کی حالت تباہ ہوگئی ، ہر ایک چھوٹے بڑے کو ہچکی لگ گئی ۔

ہے ہے ! حضرت قاسم کی رخصت سے ایک حشر عظیم

برپا ہوا ، اہل بیت رسالت میں کہرام سا پڑ گیا ۔ لیکن جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ قاسم کسی طرح خیمۂ عصمت میں نہ رہے گا ، رو دیا اور فرمایا کہ اے لخت جگر عم و اے نور افزائے چشم پر نم ! اچھا میں نے تجھے اپنے خدائے کریم کو سونپا ، میدان نبرد میں سرخ رو کرے تجھے اللہ تعالیٰ !

ہے ہے ! اپنے دست مبارک سے آن کے شہانے جوڑے کا گریبان مثل گل چاک کیا ، دستار مبارک کے پیچ کھول کر دونوں طرف چھوڑ دیے ، خلعت شادی کفن کی طرح پہنایا ، شمشیر آب دار اس تشنہ لب کی کمر سے باندھی ، میدان قتال کی اجازت دی ۔

جناب قاسم حضرت امام حسین علیہ السلام سے رخصت ہو کر شاداں شاداں میدان جاں ستاں میں تشریف لائے ، ان کافروں بے دردوں کے سامنے کھڑے ہو کر یہ دو چار بیتیں بطور رجز کے پڑھنے لگے :

نظم

جان دے کر مول لوں گا اس گھڑی جاہ و وقار
سر کروں گا حضرت شبیر کے پا پر نثار

بس اسی جوڑے شہانے سے شہادت گاہ میں
سر کٹا کر سرخ رو ہوتا ہوں پیش کردگار

ٹاپ سے گھوڑے کی اور شمشیر جوہر دار سے
ماہ و ماہی تک کروں گا اس گھڑی میں زخمدار

بلبل جاں خستہ کی مانند اس گل کے لیے
سوز دل سے میں کروں گا واے سید کی پکار

حق تعالیٰ کو کروں گا اس لیے اپنا کفیل
مصطفیٰ سے میں مدد چاھوں گا اس میں بار بار

مرتضیٰ اور فاطمہ کے سامنے اس قوم کا
بے گماں شکوہ کروں گا میں بہ چشم اشک بار

کیا کہوں میں حیدری اس نوجواں کا ماجرا
جس طرح اس دشت کربل میں ھوا آن سے دو چار

سبحان اللہ ! جس طرف اپنا اسپ باد پا جولاں کرتے تھے ، پرے کے پرے خالی ھو جاتے تھے ؛ سیکڑوں کافر مارے ، ھزاروں کے تن بےسر کر ڈالے - کسی دلاور کی تاب و طاقت نہ رھی کہ اس نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ کی طرف رخ کرے ، ھتھیار کھینچے ؛ یہاں تک کہ حضرت قاسم علیہ السلام آپ عمر سعد ملعون کی سپاہ رو سیاہ کے سامنے آئے ؛ پکار پکار کر کہنے لگے کہ اے عمر سعد بے حیا و اے کافر پر جفا ! تو نے کتنے یار ھوا دار اور کتنے خیر خواہ نیک کردار اس شہزادۂ دو جہاں اور اس نور دیدۂ پیمبر آخر الزماں کے مارے ، تشنہ وگرسنہ خنجر و دشنہ سے شہید کیے - ھے ھے ! اس کے کتنے اقرباؤں کے سر کاٹے ؛ کتنے بھائی بیٹے بھتیجے بھانجے جام شہادت سے سیراب کیے ؛ اب سرور دو سرا اور اس راحت افزاے دل غم گین علی مرتضیٰ کو بھی شہید کیا چاھتا ھے ؛ غضب خدا سے نہیں ڈرتا ، پیغمبر خدا کی شرم نہیں کرتا -

اس کافر نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا اور

ارزق شامی کو اشارہ کیا کہ جلد جا اور اس جوان ہاشمی کو بھی جام شہادت پلا ۔

یہ بات سن کر اس بے حیا نے کہا کہ اے ابن سعد! یہ بات تیرے کہنے کے لائق نہیں کہ تو مجھے اس لڑکے سے لڑنے کو بھیجے ؛ خدا کی قسم میری شجاعت و جواں مردی میں بٹا لگے گا ، دلیری و بہادری میں نام نہ رہے گا ۔ مگر تیرے کہنے سے اپنے ایک لڑکے کو کہتا ہوں کہ وہ اس کا کام تمام کرے ، بات کرتے مار لے ۔

اے یارو ! اس کافر بدکردار کے چار لڑکے تھے ، ان میں سے چھوٹے بدبخت کو کہا کہ بیٹا ! تو اس جوان ہاشمی کو ٹھکانے لگا ۔

وہ ملعون شیر گرسنہ کی طرح حضرت قاسم پر گھوڑا اٹھا کر جا پڑا کہ اس نور دیدۂ شیر خدا و سرور سینۂ علی مرتضیٰ نے اس کافر کو بھیڑ بکری کی طرح ایک آن میں ذبح کر ڈالا ، جہنم واصل کیا ۔

اسی طرح اس ملعون کے چاروں بیٹے حضرت قاسم کے ہاتھ سے مارے پڑے ، دیار عدم کی طرف سیدھے چلے گئے ۔ لیکن جب ارزق نے اپنے ان چاروں حرام زادوں بد نہادوں کو حضرت قاسم کے ہاتھ سے جہنم واصل دیکھا ، رو دیا ، تمام جہان اس کی آنکھوں میں تیرہ و تار ہو گیا ۔

اپنے اسپ کوہ پیکر پر سوار ہوا ، اٹھارہ گز کا نیزہ کاندھے پر دھرا ؛ جوشن آہنی و بکتر فولادی سے آراستہ ہوا اور تیغ برق آثار میان سے کھینچ کر آگے بڑھا ۔ ہے ہے !

ایک پیل مست کی طرح اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا حضرت قاسم علیہ السلام کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ اے جوان بے درد ! تو نے چار بیٹے میرے چاند کے سے ٹکڑے خاک میں ملا دے، کچھ رحم نہ کیا کہ ایسے بہادروں روئیں تنوں پر ہاتھ اٹھایا ، ایسے دلیروں جاں بازوں کو مارا - خبردار! اب اپنے تئیں سنبھال ، قسم خدا کی جب تلک تجھے نہ ماروں گا ، پانی نہ پیوں گا -

یہ بات کہہ کر ایک نیزہ حضرت قاسم کو مارا ، جناب قاسم نے خالی دیا اور فرمایا کہ اے کافر ! اب تجھے بھی مارتا ہوں ، اسی طرح جہنم واصل کرتا ہوں - لیکن جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارزق کو جناب قاسم کے سامنے دیکھا ، درگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی : "خداوندا ! میرا قاسم ابھی لڑکا ہے اور یہ کافر چالیس پچاس برس کا سن و سال رکھتا ہے ؛ اگر میرا قاسم اس بدکردار کے ہاتھ سے مارا پڑے گا تو یہ ملعون تمام لشکر کفار میں اپنا فخر کرتا پھرے گا - بار خدایا ! میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا قاسم اس ملعون دیو سرشت کو مارے ، ایسے کافر زور آور پر فتح یاب ہووے -"

یہ دعا حضرت امام حسین علیہ السلام کی درگاہ الٰہی میں قبول ہوئی - جب حضرت قاسم اور ارزق میں ہتھیار چلنے لگے ، دونوں طرف کی سپاہ دور سے دیکھتی تھی - وہ کافر جب حضرت قاسم کو نیزہ مارتا تھا ، حضرت قاسم خالی دیتے تھے ، اور جب حضرت قاسم اس ملعون کو مارتے تھے ، وہ سرک جاتا تھا - اسی طرح کئی ہاتھ نیزے کے چلے ؛ نہ حضرت

کا نیزہ اُس کو لگا ، نہ اُس کافر کا جناب قاسم علیہ السلام کو۔ اس بات سے ارزق خفا ہوا اور ایک نیزہ اُس کافر نے جناب قاسم علیہ السلام کے گھوڑے کے پیٹ میں ایسا مارا کہ وہ اسپ وفا دار زمین پر گر پڑا ؛ حضرت قاسم پیادہ پا ہو گئے ، لیکن اپنی شجاعت و جواں مردی سے اسی طرح لڑتے رہے ۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ احوال پر ملال حضرت قاسم کا دیکھا ، رو دیا ، اور جناب علی اکبر سے فرمایا کہ اے نور دیدۂ پدر و اے سرور سینۂ پدر ! ایک گھوڑا جلد اپنے چچیرے بھائی قاسم کے پاس لے جا کہ وہ اس دشت بلا میں پیادہ پا ہوگیا ۔

حضرت علی اکبر وونہیں ایک اسپ باد پا جناب قاسم کو دے آئے ۔ جوں حضرت قاسم اُس پر سوار ہوے کہ وہ ملعون شمشیر آب دار گھسیٹے ہوے جناب قاسم پر جا پڑا ۔ حضرت قاسم نے بھی تیغ برق آثار میان سے کھینچ کر اس ملعون کا مقابلہ کیا ۔

دو چار ہاتھ چلے ہوں گے کہ اُس نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ نے اس سے کہا کہ اے ارزق ! تو ایسا شجاع کہلاتا ہے ، اس وقت اس قدر بد حواس کیوں ہوا جاتا ہے کہ اپنے گھوڑے کی بھی خبر نہیں رکھتا ؛ دیکھ تنگ اُس کا ڈھیلا ہوگیا ، قریب ہے کہ زین ڈھلے اور تو اس سے جدا ہو کر سطح خاک پر گر پڑے ۔

جوں اس کافر اجل گرفتہ نے اپنا سر جھکا کر تنگ کی طرف دیکھا کہ اس جوان ہاشمی نے اپنے خدائے کریم کو یاد کر کے ایک ہاتھ اس کافر کو اس زور سے مارا کہ کھیرے ککڑی کی طرح دو ٹکڑے ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔

جناب امام حسین کے لشکر میں ایک شور اللہ اکبر کا ایسا اٹھا کہ چرخ ہفتمیں تک پہنچا ؛ سپاہ مخالف میں زلزلہ سا پڑگیا۔

حضرت قاسم اپنے بادپا سے اتر پڑے اور اس کے گھوڑے پر سوار ہوئے ؛ اپنے اسپ وفادار کو دڑیائے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں تشریف لائے اور کہنے لگے ''چچا جان ! پیاسا ہوں ، اگر ایک جام پانی کا پاؤں تو اس لشکر شام و کوفہ کا نام و نشان صفحۂ روز گار سے یک قلم مٹا دوں ، ہر ایک بد نہاد کا سر اپنی شمشیر آبدار سے کاٹوں ، جہنم واصل کروں۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے رو دیا اور زبان مبارک سے فرمایا کہ اے جان عم و اے روح و روان عم ! مت گھبرا ، ابھی اپنے دادا علی مرتضے کے دست مبارک سے جام کوثر نوش جان کرتا ہے ، بلکہ پلک جھپکتے اس درد و الم سے چھٹ جاتا ہے۔

یہ بات سن کر حضرت قاسم شاداں شاداں پھر میدان جاں ستاں میں آئے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ ہے کوئی جواں مرد جو میرے رو برو آوے ، ہتھیار کھینچے ؟

اتنے میں شمر ذی‌الجوشن نے اپنی فوج کو پکار کر کہا کہ اے جواں مردو ! اس جوان ہاشمی کو مار لو ، جناب امام حسین علیہ السلام کا جگر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو ۔

ہے ہے ! بات کرتے وہ سب کے سب اس یکتائے جہاں و سرور کون و مکاں پر ٹوٹ پڑے ، نیزے بھالے تیر و تبر مارنے لگے ۔ سبحان اللہ ! وہ نور دیدۂ محمد مصطفیٰ اور وہ سرور سینۂ علی مرتضیٰ کبھی آن کی داھنی طرف کی فوج درھم برھم کر دیتا تھا ، کبھی بائیں سمت کی سیاہ رو سیاہ کو کائی کی طرح پھاڑ ڈالتا تھا اور وہ ملعون چاروں طرف سے ھجوم آور تھے ۔

اتنے میں ایک کافر کی شمشیر آب دار حضرت قاسم کے سر مبارک پر اس زور سے لگی کہ حلق تلک تیر گئی ۔ ہے ہے ! حضرت قاسم گھوڑے سے گرے اور کہنے لگے "چچا جان ادرکنی !" جلد خبر لو میری ۔

اس بات کے سنتے ھی حضرت امام حسین علیہ السلام شیر گرسنہ کی مانند اس فوج روسیاہ و روباہ خصلت کو درھم برھم کر کے حضرت قاسم کے سرھانے جا پہنچے اور جناب قاسم کے قاتل کو ایک ھاتھ اس زور سے مارا کہ آس کافر کا ھاتھ کٹ گیا ۔ آس نے اپنی سپاہ کو پکار کر کہا کہ مجھے بچاؤ ۔

اس بات کے سنتے ھی ان کافروں بدنہادوں نے چاھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ھاتھ سے لڑ کو

چھین لیں ، بے اختیار ھجوم آور ھوئے ، لڑنے لگے ۔

ھے ھے ! اس جنگ و جدل میں جناب قاسم کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے رائی کائی ھو گئی ۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سپاہ روسیاہ کو اس میدان جاں ستاں سے ھٹا دیا ، جناب قاسم کی لاش پارہ پارہ کو اپنے گلے سے لگایا ۔ ایک آہ سرد اپنے دل پر درد سے ایسی کھینچی کہ جس کی بات کچھ کہی نہیں جاتی ۔ آخر کار اس لاش کو وھاں سے اٹھا کر خیمۂ عصمت کی طرف رخ کیا اور جو بی بیاں پردۂ عصمت کی بیٹھنے والیاں دروازے پر کھڑی ھوئیں حضرت قاسم کے آنے کا انتظار کھینچتیاں تھیں ، جوں حضرت امام حسین علیہ السلام جناب قاسم کی لاش لائے ، دیکھتے ھی غش کھا گئیں ، تمام اھل بیت رسالت پچھاڑیں کھا کھا کر رونے لگے ۔ مادر قاسم آن کے تلوے اپنی آنکھوں سے ملتی تھیں اور پچھاڑیں کھاتی تھیں اور وہ نویلی دلھن بالوں سے منہ چھپائے ھوے روتی تھی اور یہ نوحۂ جاں کاہ زبان حال سے ادا کرتی تھی :

نوحہ

قاسم کی دلھن کہنے لگی دے کے دھائی ، ھے ھے بنے قاسم !
کیا ظلم ھے میں بیاہ کے دن بیوہ کہائی ، ھے ھے بنے قاسم !

تم قتل ھوے اور میں بیوہ ھوئی افسوس ، اس دشت بلا میں
شادی مری تقدیر نے ماٹی میں ملائی ، ھے ھے بنے قاسم !

میں کہتی تھی آباد کیا گھر مرا حق نے ، اور یہ نہ خبر تھی
جو شادی رنڈاپے کا یہ پیغام ہے لائی ، ہے ہے بنے قاسم !

جاری ہے لہو زخموں سے پیشانی کے اب تک ، چہرے پہ تمہارے
سہرے کی لڑی خون میں ظالم نے ڈبائی ، ہے ہے بنے قاسم !

آتا ہے نظر پنجۂ خورشید شفق میں ، یا تیغ سے کٹ کر
ڈوبے ہیں لہو میں یہ ترے ہاتھ حنائی ، ہے ہے بنے قاسم !

میں نے تو نہ دیکھی تھی ابھی شکل تمہاری ، گھونگھٹ کو الٹ کر
اب لاش تمہاری مجھے قسمت نے دکھائی ، ہے ہے بنے قاسم !

کل بیاہ کا کنگنا تھا ترے ہاتھ میں باندھا ، خوش ہو کے پھپھی نے
اور آج ہوئی کٹ کے جدا تیری کلائی ، ہے ہے بنے قاسم !

کل مہندی لگائی تھی سکینہ نے خوشی ہو ، کس چاؤ سے تجھ کو
افسوس کٹے آج ترے ہاتھ حنائی ، ہے ہے بنے قاسم !

کس دھوم سے واں بجتی تھی کل شادی کی نوبت ، دروازے کے اوپر
اور آج ترے قتل کی نوبت ہے بجائی ، ہے ہے بنے قاسم !

کل بیاہ کی دیتے تھے تجھے تہنیت آ کر ، سب اپنے بگانے
اور آج مجھے پرسہ ہر اک دینے ہے آئی ، ہے ہے بنے قاسم !

کل بدھیاں پہنائی تھیں پھولوں کی تمھیں ہائے ، اور باندھا تھا سہرا
اور آج تمھیں زخموں کی بدھی ہے پنہائی ، ہے ہے بنے قاسم !

کل اوڑھنی کا ڈال کے سر پر ترے آنچل ، بیٹھی تھی سکینہ
اور آج کھڑی لاش پہ دیتی ہے دھائی ، ہے ہے بنے قاسم !

کل سر پہ وہ دستار شہانی جو بندھی تھی ، سرپیچ تھا سر پر
سو آج وہ تابوت پہ دیتی ہے دکھائی ، ہے ہے بنے قاسم !

پہنائی تھیں وہ چوڑیاں اماں نے جو مجھ کو، گودی میں بٹھا کر
آن چوڑیوں کو توڑ کے نتھ میں نے بڑھائی، ھے ھے بنے قاسم!

جوں شمع مجھے روتے ہوئے چھوڑ لگن میں، درگریہ و زاری
یاں موت سے آتے ھی لگن تم نے لگائی، ھے ھے بنے قاسم!

اور ایک طرف مادر قاسم کھڑی اس جا، یوں کہتی تھی رو رو
صد حیف ملی خاک میں سب میری کمائی، ھے ھے بنے قاسم!

کیا خاک پہ سوتے ہو پڑے دیکھو تو اٹھ کر، منہ اپنی دلھن کا
صندل کے عوض خاک ھے چہرے پہ لگائی، ھے ھے بنے قاسم!

میں کہتی تھی جس طرح سے دیکھا ھے یہ سہرا، اک روز وہ ہوگا
اولاد تری دیکھوں گی میں غمزدی مائی، ھے ھے بنے قاسم!

اب حیدری خاموش بیاں تجھ سے کروں کیا، اس دکھیا کی زاری
جس طرح سے وہ کہتی تھی واں دے کے دھائی، ھے ھے بنے قاسم!

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نویں مجلس حضرت عباس علی ابن جناب مرتضیٰ علی قوت بازوے حضرت امام حسین علیہ السلام شہید دشت کربلا کے شہید ہونے کی

قطعہ

اے محبو ! اس گھڑی آنکھوں سے جو آنسو بہے
حضرت شبیر بے کس تشنہ لب کے واسطے
کیا عجب جو فاطمہ بنت نبی کے رو برو
ہو وسیلہ حشر کے دن یہ شفاعت کے لیے

اے مومنو ! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت عباس علی سقاے بی بی سکینہ کے شہید ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے :

نظم

کربل میں جب گرا پسر مرتضیٰ علی
بے نور ہو گئی سحر مرتضیٰ علی

پیاسا لب فرات په جس دم گرا حسین
کوثر سے اٹھ گئی نظر مرتضیٰ علی

یک تن سے سر جو کاٹے ھیں دو تیغ ظلم سے
حلقوم شاہ دین و سر مرتضیٰ علی

یعقوب سرنگوں کی کمر سیدھی پھر ہوئی
کب راست ہو سکے کمر مرتضیٰ علی

زینب کے قید ہونے سے اے آہ کیا کہوں
اک دود سا اٹھا ز بر مرتضیٰ علی

اصغر کے تیر کی دے خدا داد جب تلک
تب تک ھے تیر در جگر مرتضیٰ علی

عباس کے کھوے جو کٹے تیغ ظلم سے
ڈوبا لہو میں ھاے سر مرتضیٰ علی

اس نوجواں کے ٹکڑے کریں تیغ ظلم سے
ھے ھے غضب ! جو ہو سپر مرتضیٰ علی

شبیر کے الم میں کہوں کیا میں حیدری
طوفاں فزا ھے چشم تر مرتضیٰ علی

اے مومنو ، اشک بارو ، و اے یارو جناب عباس علی علیه السلام کے ماتم دارو ! جناب امام حسین علیه السلام کی مصیبت و بے کسی کا احوال سنو ، خون دل چشمۂ چشم سے بہاؤ ، رسول خدا و جناب فاطمه زہرا کو خوش کرو ۔

راوی یوں بیان کرتا ھے که ماہ محرم کی نویں تاریخ ، دسویں شب حضرت امام حسین علیه السلام نہایت متردد و متفکر ہوئے ؛ اہل بیت رسالت کے خیمے اس دشت بلا میں

کھڑے کروائے، اور بی بی شہربانو کا خیمہ آن سب خیموں کے درمیان کھڑا کروا کر فرمانے لگے کہ سراچوں کے گرد کھائیاں کھودو؛ ہر ایک طرف سے دشمنوں، جفاکاروں کی راہ آمد و شد بند و مسدود کردو۔

اس وقت حضرت عباس علی علیہ السلام نے آس نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ کی خدمت فیض درجت میں آ کر عرض کی کہ اے شافع روز جزا و اے خلاصۂ خاندان علی مرتضیٰ خندق کے واسطے پانی چاہیے۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے چشمۂ چشم سے دریائے سرشک بہایا اور زبان مبارک سے فرمایا کہ اے برادر بجان برابر! اس صحرائے آتش بار میں پانی کہاں! بہتر ہے کہ آس کے بدلے سوکھی سوکھی لکڑیوں سے بھرو، آگ لگا دو۔ یقین ہے کہ اس آتش و گرمی سے کوئی ادھر نہ آ سکے گا، کسی کافر جفا کار کا ہواؤ نہ پڑے گا۔

بعد اس کے اپنے تمام بھائیوں، اقرباؤں، یاروں، ہوا خواہوں کو جمع کر کے فرمانے لگے کہ اے مسافرو، وطن آوارو، و اے بے کسو، ستم رسیدو! آج کے دن بازار قضا گرم و سوزاں ہے اور متاع جان مفت و ارزاں: صبح کے وقت ہم غریبوں کے سر تن سے آتریں گے اور ظالموں، بدنہادوں کے نیزوں پر چڑھیں گے۔ تمام اہل بیت رسالت قیدی بنیں گے، دبس بدیس پھریں گے۔ پس یقین کرو کہ میں نے تمہاری بیعت بہ جان و دل قبول کی، تمہاری رضا مندی تمہاری ہی طبیعت پر چھوڑی؛ جس کا جی جدھر چاہے آدھر

چلا جاوے ۔

ہے ہے ! جس وقت یہ کلام حیرت افزا اور یہ سخن ہوش ربا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا، جو شخص کہ مال و متاع کے لالچ سے ہم راہ رکاب ہوئے تھے، ایک ایک دو دو اپنے اپنے خیمے پر تل لدوا کر رو گرداں ہوئے ، اپنے اپنے شہر و دیار کی طرف چلے گئے۔ اور یہ خبر امام حسین علیہ السلام کو دم بہ دم پہنچا کی کہ فلانے شخص نے اپنی راہ لی اور فلانے شخص نے بھی تیاری کی ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اس خبر وحشت اثر کو سنتے تھے اور چشمۂ چشم سے دریائے سرشک بہاتے تھے اور آن کے مآل کار کی طرف نظر حیرت سے دیکھتے تھے؛ یہاں تلک کہ وہ شخص جن کا نام نامۂ شہادت میں لکھا گیا تھا ، باقی رہے ، اور سب کے سب چلے گئے ۔

بعد اس کے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کو بھی از روئے امتحان کے رو برو بلوایا اور زبان مبارک سے فرمایا کہ اے یارو ، ہوا خواہو ! میں تم سے بھی بہ خوشی تمام کہتا ہوں کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ، جس کا جی جدھر چاہے ، اُدھر چلا جاوے ۔

اس بات کے سنتے ہی آن یاروں راسخ الاعتقادوں میں سے حضرت مسلم ابن اوسجہ جو آس جناب پاک کے اصحابوں میں سے تھے اور عمر بھی ستر برس کی رکھتے تھے ، اُٹھ کر امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور ہاتھ جوڑ کر کہنے

لگے کہ یا ابا عبد اللہ و اے جگر بند رسول اللہ ! جو شخص
کہ اس دنیاے دوں کے زر و جواہر ، مال و اسباب کا لالچ
کر کے آئے تھے چلے گئے، ہم تو براے خدا و رسول تمھارے
ساتھ ہوئے ہیں ، اس جناب پاک کو چھوڑ کر کدھر جاویں۔
خدا کی قسم ! جان و دل سے چاہتے ہیں کہ اپنا سر اس
جناب اقدس کے قدم مبارک پر نثار کریں ، دامن آل عبا اپنے
ہاتھ سے نہ چھوڑیں ، کیوں کہ آخر ایک روز مرنا ہے ،
بے شک و شبہ ایک روز اس دار فانی سے سفر آخرت کرنا ہے۔
پس اس سے تو ہزار درجے یہ بات بہتر ہے کہ اپنا جی تم پر
واریں اور سر اپنا آپ کے قدم مبارک پر نثار کریں۔ یا
ابا عبداللہ ! ہم قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہمارے سر
ہزار بار تن سے آتاریں اور نیزے چڑھاویں ، لاشیں بہاویں
یا جلاویں ، ہماری خاکستر کو باد صرصر سے آڑاویں ، یہ سب
باتیں قبول ہیں پر تیرا دامن مبارک ہاتھ سے چھوڑنا محال
ہے ، کیوں کہ تیری راہ میں سر کٹانا عین سعادت ابدی و
دولت سرمدی کا حاصل کرنا ہے۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام فرمانے
لگے کہ مرحبا و جزاک اللہ فی الدارین خیرا، حق تعالیٰ تم کو
جزاے خیر دیوے۔ بعد اس کے تمام بھائیوں ، اقرباؤں ،
فرزندوں کو بھی اتمام حجت کے واسطے ارشاد کیا کہ اے
یارو ، نیک نہادو ! میں بار بار کہتا ہوں کہ اب بھی کچھ
نہیں بگڑا ، تم اپنا اپنا سمجھتا دیکھو ، میں نے تمھاری بیعت
قبول کی۔

حضرت مسلم ابن عقیل کے صاحب زادوں سے بھی یہی

بات کہی کہ اے نور دیدگان حسین و اے مظلومان حسین! تم مدینۂ منورہ کی طرف جاؤ ، اپنے باپ ھی کی شہادت پر اکتفا کرو ۔ ھے ھے ! میں نہیں چاھتا کہ تم بھی اپنے سر کٹاؤ ؛ ظالموں ، بد نہادوں کے ھاتھ سے مارے جاؤ ۔ سچ جانو اگر تم جیتے رھوگے تو حضرت عقیل کی نسل کا نقش لوح ھستی سے نہ مٹے گا ، حضرت مسلم کا نام و نشان تا یوم‌القیام باقی رھے گا ۔

یہ بات سن کر آن صاحب زادوں ستم رسیدوں نے ھاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! حیف ھے ھمارے ایسے جینے پر کہ ھمارا باپ مارا پڑے اور ھم جیتے رھیں ، آپ سے کنارہ کریں ۔ چچا جان ! جب تلک ھم اپنے باپ کا قصاص آن کافروں بدنہادوں سے نہ لیں گے ، یہاں سے کہیں نہ جاویں گے ۔ خدا کی قسم! یا ان کو ماریں گے یا اپنے پدر بزرگ وار کی طرح شربت شہادت سے اس دل تشنہ کی بھڑاس بجھاویں گے ۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ‌السلام چپ ہو رھے ؛ بعد ایک دم کے حضرت عباس علی علیہ السلام کا ھاتھ پکڑ کر ایک گوشے میں لے گئے اور کہنے لگے کہ اے جان علی و اے روح روان علی ! میں ایک بات کہا چاھتا ھوں ، اگر تم گوش دل سے سنو اور اس پر عمل کرو ۔ بہرصورت مناسب حال ھے کہ تم مدینۂ منورہ کی طرف جاؤ ، اپنی والدۂ شریفہ کی دل داری کرو اور میری فاطمہ کبریٰ کو تسلی دے کر کہو کہ اے جان حسین و اے روح روان حسین ! غم نہ کہا ، خدا کی طرف دھیان لگا ، حق سبحانہ

تعالیٰ تجھ پر رحم کرے گا ، باپ تیرا تجھ سے مل رہے گا ۔ میں دل و جان سے چاہتا ہوں کہ بابا جان کی اولاد روے زمین پر باقی رہے ۔ یا شمر ذی الجوشن کے پاس جاؤ کہ وہ تمھیں بلاتا ہے ۔ اس بات میں بھی ایک حکمت ہے ، کیوں کہ جس وقت تم لشکر مخالف میں ہو گے اور اہل بیت رسالت قید ہو کے وہاں جاویں گے ، یقین ہے کہ تم حضرت زینب و کلثوم کی حرمت کروگے ، سکینہ کے سر پر دست شفقت رکھوگے ، میرے زین العابدین کو برہنہ پا نہ چلنے دوگے ۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت عباس علی علیہ‌السلام آپ میں نہ رہے ، رو رو کر کہنے لگے کہ اے جان محمد مصطفیٰ و اے گل بستان علی مرتضیٰ ! اس روز خداے عز و جل عباس کو اندھا کرے ، دنیا کے پردے سے اٹھا لیوے ، جس دن کہ عباس تجھے اپنی آنکھوں سے جدا دیکھے ، بے تیرے اس جہان فانی میں ایک دم رہے ۔ خداوند ! اس روز عباس علی کو اس دنیاے دوں سے اٹھا لینا جس دن امام حسین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑے ، بے اس کے زندگی کرے ۔ اور کہنے لگے کہ اے برادر بہ جان برابر و اے نور دیدۂ احمد و حیدر ! میں نے اپنے پدر بزرگ وار کی وصیت فراموش نہیں کی ، بے شک و شبہ اس پر عمل کروں گا اور تیرے قدم مبارک پر اپنا سر کٹاؤں گا ۔ امید وار اس بات کا ہوں کہ پہلے مجھے رخصت فرماؤ ، میرے حال زار پر رحم کھاؤ ۔

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ اس وقت شمر ذی الجوشن نے حضرت عباس علی علیہ‌السلام کو کہلا بھیجا کہ تم میرے بھانجے کہلاتے ہو ، چاہتا ہوں کہ تم کو اس میدان

جان ستاں میں بے جان نہ دیکھوں ۔ لازم ہے کہ اپنے تئیں میرے پاس پہنچاؤ کہ میں تمھیں ابن سعد کے پاس لے چلوں، بہت سا ملک و مال دلواؤں ۔

یہ پیغام سن کر حضرت عباس علی علیہ السلام خفا ہوئے اور فرمانے لگے کہ لعنت خدا تجھ پر اور ابن سعد پر ! اے کافر جفاکار و اے شیطان مکار ! اب چاہتا ہے کہ مجھے اپنے دام فریب میں گرفتار کرے، جناب امام حسین علیہ السلام کی دولت ملازمت سے محروم رکھے، حضرت محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا علیہم السلام کو مجھ پر خفا کرے ۔ حق تعالیٰ اس بات کی تجھ کو سزا دیوے ! خدا کی قسم ! اگر ہزار جانیں عباس علی علم بردار کی ہوتیں تو اس جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ سے دریغ نہ کرتا ؛ ہر بن مو اگر سر ہوتا تو اس سرور دو سرا اور اس حامیٔ روز جزا کے قدم مبارک پر وارتا، شاد ہو ہو کر اس پر نثار کرتا ۔

درد و الم کی حکایتوں کے بیان کرنے والوں اور مصیبت و غم کی روایتوں کے لکھنے ہاروں نے اس احوال مصیبت خیز اور اس ماجرائے وحشت آمیز کو صفحۂ روزگار پر قلم اشک بار سے یوں لکھا ہے کہ ماہ محرم کی دسویں تاریخ، جمعہ کے روز، صبح سے لے کر ظہر تلک حضرت امام حسین علیہ السلام کے تمام اصحاب عالی مقدار و غلامان جاں نثار میدان کربلا سب جام شہادت سے سیراب ہوئے، روضۂ رضواں کی طرف کوچ کر گئے ۔ سوائے بھائیوں اور فرزندوں کے اور کوئی باقی نہ رہا جو میدان جاں ستاں میں

جاوے ، جناب سیدالشہدا پر نثار ہووے ۔

ہے ہے ! جب حضرت محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰ کے فرزندوں کی نوبت پہنچی ، جناب امام حسین علیہ السلام کے ہر ایک بھائی ، بھتیجے ، بھانجے نے شمشیر آب دار سے جام شہادت پی کر جنت الماوا کی راہ لی ۔ یہاں تلک کہ حضرت قاسم نو داماد نے بھی اس دس ھی برس کی عمر میں جام شہادت پیا ، سر مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام کے قدم مبارک پر نثار کیا ۔ سوائے عباس علی و جناب علی اکبر و زین العابدین و علی اصغر کے اور کوئی باقی نہ رہا ۔

ہے ہے ! اس وقت چوبیس ہزار سوار و پیادے نے جناب امام حسین علیہ السلام کو گھیر لیا ؛ اس حالت میں اس سرور سینۂ محمد مصطفیٰ و راحت افزائے دل درد مند علی مرتضیٰ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا ۔ یہ احوال دیکھ کر حضرت عباس علی و جناب علی اکبر تاب نہ لا سکے ، حضرت امام حسین علیہ السلام سے میدان حرب کے جانے کی خاطر التماس کرنے لگے کہ اے جگر بند محمد مصطفیٰ و اے فرزند ارجمند علی مرتضیٰ ! اب ہم کو بھی اجازت فرما ، دم ناک میں آ رہا ہے ، کلیجا پھٹتا جاتا ہے ۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے رو دیا اور قدرے تامل فرمایا ، اس واسطے کہ جناب عباس علی سبقت کرتے تھے کہ پہلے میں جاؤں اور اپنا سر حضرت علی اکبر کے قدم مبارک پر نثار کروں ۔ جناب علی اکبر چاہتے تھے کہ پہلے میں میدان کارزار میں اپنا قدم دھروں ، جناب عباس پر قربان ہوں ۔

اتنے میں حضرت عباس علی نے جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں عرض کی کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ! خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میرے رو برو یہ شبیہ رسول خدا اور تجھ سا راحت افزائے دل درد مند علی مرتضیٰ شہید ہووے۔ برائے خدا پہلے مجھے اجازت فرما کہ میں اپنی جان تیرے قدم مبارک پر قربان کروں، خدا اور رسول خدا کے سامنے سرفراز ہوں۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت امام حسین علیہ السلام نے رو دیا اور جناب عباس کو خیمۂ عصمت میں لے جا کر تمام بی بیوں، بہنوں، بیٹیوں، بھاوجوں سے کہا کہ اے غریبو و اے بے کسو! میرا علم بردار بھی تم سے رخصت ہونے آیا ہے، بہشت بریں کے جانے کا عزم رکھتا ہے، تم اس کا دیدار آخری دیکھو، رخصت کرو۔

اس بات کے سنتے ہی تمام اہل بیت رسالت آپ میں نہ رہے، اس ماہ سپہر بنی ہاشم کے گرد بہ طور انجم و اختر کے ہالا مار کر بے اختیار رونے لگے۔ حضرت زینب خاتون جناب عباس علی علیہ السلام کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہنے لگیں کہ بھیا! اس حالت بے کسی و غریبی میں مجھے اور اپنے بھائی جان کو تن تنہا کہاں چھوڑ چلے! ہے ہے! شرط مروت نہیں کہ ہم ان ظالموں جفا کاروں میں تنہا رہیں۔

یہ بات سن کر حضرت عباس علی نے سر جھکا دیا اور اپنے دیدۂ خوں بار سے دریائے سرشک بہا کر فرمایا کہ اے خواہر بزرگ وار و اے جان فاطمہ و حیدر کرار! یہ

وقت میرے گھر بیٹھنے کا نہیں ؛ بھائیوں ، بھتیجوں ، بھانجوں کے مرنے سے میری آنکھوں میں سارا جہان تیرہ و تار ہو گیا ؛ برائے خدا جلد رخصت فرما ۔

یہ اسی گفتگو میں تھے کہ بی بی سکینہ ایک چھوٹا سا مشکیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے تشریف لائیں اور حضرت عباس علی کا دامن پکڑ کر کہنے لگیں ''چچا جان ! مارے پیاس کے زبان میں کانٹے پڑ گئے ، کلیجا منہ کو آ رہا ، جی سنسنایا جاتا ہے ، واری سکینہ ! تھوڑا سا پانی پلا ۔''

یہ بات کہہ کر وہ مشکیزہ اپنے چچا جان کے حوالے کیا ۔ حضرت عباس علیہ السلام نے وہ مشکیزہ بی بی سکینہ سے لے کر رو دیا اور تمام اہل بیت رسالت سے رخصت ہو کر میدان جاں ستاں کی طرف رخ کیا ۔

اس وقت خیمۂ اہل بیت رسالت میں ایک حشر برپا ہوا ، عجب طرح کا کہرام پڑ گیا ۔

اے یارو ، جناب اہل بیت رسالت کے ہوا خواہو ، و اے مومنو ، جناب امام حسین علیہ السلام کے ماتم دارو ! معلوم کرو کہ جس وقت کوئی یار یا برادر غم خوار حضرت امام حسین علیہ السلام سے رخصت ہو کر میدان کارزار کی طرف جاتا تھا ، اس وقت جناب امام حسین علیہ السلام دس بارہ قدم اس کو آگے پہنچا آتے تھے اور روتے تھے ۔

ہے ہے ! جس وقت کہ حضرت عباس علی علیہ السلام کے جانے کی باری آئی ، جناب امام حسین علیہ السلام ابر دریا بار کی مانند گریاں ، رعد و برق کی طرح جوشاں و خروشاں بڑی

دور تک حضرت عباس علی علیہ السلام کے ساتھ چلے گئے ۔

جب عباس علی ایک ریگستان کے ٹیلے پر جا چڑھے حضرت امام حسین علیہ السلام وھیں کھڑے ھو رھے اور حضرت عباس علی اس بلندی سے ادھر ادھر دیکھنے لگے ؛ ملاحظہ فرمایا کہ ایک سمت نہر علقمہ جاری ھے اور ایک طرف خیمۂ عصمت میں مارے تشنگی کے فریاد و زاری ھے ؛ یہ حال دیکھ کر گھبرائے ، اھل بیت رسالت کی غریبی و بیکسی پر رونے لگے ۔

اتنے میں سر جھکا کر ٹیلے کے نیچے دیکھا ، جناب امام حسین علیہ السلام کو وھاں کھڑے اور روتے ھوئے مشاھدہ کیا اور دیکھا کہ وہ نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ میرے حق میں دعاے خیر کر رھا ھے ؛ بے اختیار ھو گئے ، جلد نیچے اتر آئے ۔ اپنا سر جناب امام حسین علیہ السلام کے قدم مبارک پر دھر کے بہ منت و زاری عرض کرنے لگے کہ اے گل گلزار محمدی و اے سرو جوئبار مرتضوی ! براے خدا یہاں سے تشریف لے جا اور اپنے غلام وفادار و علم بردار کو خداے کریم کے سپرد کر ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دوبارہ جناب عباس علی علیہ السلام کو گلے لگایا اور رخصت کر کے خیمۂ اھل بیت رسالت کی طرف رخ کیا ۔

حضرت عباس علی علیہ السلام نے اپنا اسپ باد پا نہر علقمہ میں ڈالا اور بہ آواز بلند کہا کہ اے قوم ستم پیشہ

و اے گروہ بد اندیشہ ! جناب امام حسین علیہ السلام کے لڑکے بالے مارے پیاس کے موئے جاتے ہیں ، بہنوں بیٹیوں کا جی لب پر آ رہا ہے ؛ خصوصاً بی بی سکینہ کا دم تو ٹوٹا ہی جاتا ہے ؛ مجھے تھوڑا سا پانی دو کہ میں لے جاؤں ، اُن پیاسوں کو پلاؤں ۔

ہے ہے ! اتنی بات سنتے ہی اُن کافروں روباہ خصلتوں نے شیر غضنفر پر حملہ کیا ، تیر و تبر ، برچھے بھالے کا مینہ برسا دیا ۔

سبحان اللہ ! اس حالت میں بھی اُس یکتا فرزند علی مرتضیٰ نے اُن روباہ منشوں کے ہجوم سے ہرگز ہراس نہ کیا اور اُس مشکیزے کو پانی سے بھر کر توکل بہ خدا خیمۂ عصمت کا رستہ پکڑا اور یہ قطعہ زبان درفشاں سے بہ طور رجز کے ارشاد کیا :

قطعہ

میں علی عباس ہوں شیر غضنفر نام ور
حضرت شبیر کا اس دشت میں بھیجا ہوا

ہوں لیے میں ہاتھ میں اور ہے مری یہ زیر ران
تیغ جوہر دار برق آثار و گلگوں بادپا

اس لیے میں خنجر کیں کے تلے دھرتا ہوں سر
تا کہ ہوں میں سرخ رو پیش خدا و مصطفیٰ

کھینچنا شمشیر کا آل نبی کے سامنے
کار یہ آساں نہیں مشکل ہے اے اہل وغا !

اس سے غافل مت رہو کہتا ہوں میں حق کی قسم
کام یہ تم نے نہایت بد کیا اے اشقیا !

ہے ہے ! اس وقت عمر سعد و شمر ذی الجوشن نے لب فرات کے چوکیداروں موکلوں کو پکار کر کہا کہ اے نامردو ! دیکھو ، یہ پسر مرتضیٰ علی ابن ابی طالب پانی سے بھری ہوئی مشک حضرت امام حسین علیہ‌السلام کے خیمے کی طرف لیے جاتا ہے ، خبردار ! نہ جانے دو ۔

اس بات کے سنتے ہی چار ہزار کافر بدکردار اس ایک جوان یکتائے روزگار پر ٹوٹ پڑے ؛ نیزے ، بھالے ، تیر ، تبر ، جمدھر ، خنجر مارنے لگے اور چاروں طرف سے تیغ و سناں کا مینہ برسانے لگے ۔

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ اس وقت حضرت عباس علی علیہ السلام سوائے پانی کی حفاظت و نگہ بانی کے اپنی کچھ خبر نہ رکھتے تھے ؛ ہر ایک کے نیزے بھالے ، تیر و تبر کا زخم جاں ستاں اپنے جسم زار پر اٹھاتے تھے ، پر اس پانی سے بھرے ہوئے مشکیزے پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے دیتے تھے اور بار بار اس فلک ناھنجار کی طرف منہ کر کے اپنے پروردگار سے کہتے تھے ، ”خدا وندا ! اس پانی کی محافظت تجھ سے چاہتا ہوں اور امید اس بات کی رکھتا ہوں ان پیاسوں تک پہنچاؤں ، بی بی سکینہ کو پہلے تھوڑا سا پلا آؤں ۔ ہے ہے ! کہیں ایسا نہ ہووے کہ اس صاحب زادی سے شرمندگی کھینچنی پڑے ۔

حضرت عباس علی اس خیال میں تھے کہ ایک کافر

ـ دین و بد آئین نے ایک تلوار ایسی لگائی کہ عباس علی علیہ السلام کا داھنا ھاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑا ـ حضرت عباس علی علیہ السلام نے اپنی جواں مردی و زور حیدری سے وہ مشکیزہ اپنے بائیں کاندھے پر دھر لیا اور گھوڑے کو اٹھایا ؛ وھیں ایک اور مردود خدا و راندۂ درگاہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے وہ ھاتھ بھی اُس قوت بازوے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بدن مبارک سے جدا کیا ـ جناب عباس علی علیہ السلام نے مشک کا تسمہ دانتوں سے تھاما ، بہ ھزار خرابی اپنے تئیں قریب خیمے کے پہنچایا ـ ھے ھے ! اتنے میں ایک تیر کسی کافر جفاکار کا اُس مشک پر لگا ، بات کرتے سارا پانی بہہ گیا ـ

اس احوال کے مشاھدہ کرتے ھی حضرت عباس علی علیہ السلام آپ میں نہ رھے ، ڈاڑھیں مار کر رونے لگے اور مارے زخموں کے تاب و طاقت بھی نہ رکھتے تھے ـ گھوڑے سے گرے اور یہ سخن زبان مبارک پر لائے ''ادرکنی بھائی جان ! اپنے عباس کی خبر لو ، جلد پہنچو ـ''

ھے ھے ! اس آواز دردناک کے سنتے ھی حضرت امام حسین علیہ السلام نے رو دیا اور ایک آہ آتش بار اپنے دل پرسوز سے ایسی کھینچی کہ جس کا دود چرخ ھفتمیں تلک پہنچا ، صحراے کربلا لرز اٹھا ؛ بہ آواز بلند فرمایا ، ''ھے ھے ! اب میری کمر ٹوٹی ، اُمید زندگی منقطع ھوئی ـ'' روتے ھوے خیمۂ عصمت سے نکلے ، جناب عباس علی علیہ السلام کے سرھانے جا کر بیٹھ گئے اور سر مبارک اپنے زانو پر دھر کے اُن کا منہ چومنے لگے ـ

اُس وقت حضرت عباس علی علیہ السلام نے آنکھیں کھول دیں اور عرض کی کہ اے جان محمد مصطفیٰ و اے روح روان علی مرتضیٰ ! میری نعش اور بھائیوں شہیدوں کی طرح خیمۂ عصمت میں نہ لے جانا ، کیوں کہ مجھے بی بی سکینہ سے شرم آوے گی ، میرے تمام بدن میں ایک تھرتھری سی پڑ جاوے گی ۔

ہے ہے ! حضرت عباس علی علیہ السلام نے اتنی بات کہہ کر غش کھایا ، بلبل روح نے قالب عنصری سے نکل کر گلشن جنت کی طرف بال شہادت سے پرواز کیا ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب عباس کی لاش پاک اسی بیابان میں چھوڑی ؛ علم مبارک و لباس و سلاح وہاں سے لے کر خیمۂ عصمت کی طرف مراجعت کی ۔ جوں بی بی سکینہ کی نظر علم عباس علی علیہ السلام پر پڑی ، معلوم کیا کہ چچا جان میرے واسطے پانی لائے ، خوش ہوئیں ۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام قریب پہنچے ، بی بی سکینہ نے اپنے پدر بزرگ وار کو دیکھا اور عباس علی کا کچھ نشان نہ پایا ، رو دیا اور غش کھایا ۔

ہے ہے ! حضرت امام حسین علیہ السلام نے سلاح عباس علی حضرت زینب خاتون کو دیا اور رو رو کر فرمایا کہ اے خواہر بہ جان برابر ! میرا عباس بھی شہید ہوا ؛ میں نے تم سے کہا لیکن تم اس کی خبر کسی اور بی بی کو نہ سنانا ، میری سکینہ کو اُس کے مرنے سے آگاہ نہ کرنا ۔

اتنے میں بی بی سکینہ ہوش میں آئیں ، اپنے بابا جان سے کہنے لگیں ''بابا جان! چچا عباس کہاں ہیں؟'' حضرت نے رو دیا اور فرمایا کہ اے نور دیدۂ پدر و اے سرور سینۂ پدر ! تیرا چچا جان اُس میدان جاں ستاں میں کافروں بد نہادوں سے لڑ رہا ہے ۔

حضرت سکینہ نے یہ بات سن کر عرض کی کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! اب مجھے تاب مفارقت نہیں ؛ میرے چچا جان کو بلوا دو یا مجھے اُس کے پاس بھجوا دو ۔

ناچار حضرت امام حسین علیہ السلام بی بی سکینہ کو اپنی گود میں لے کر جناب عباس علی کی لاش پاک پر آئے۔

ہے ہے ! اُس وقت حضرت عباس علی علیہ السلام کی لاش داھنی کروٹ سے زمین پر پڑی تھی اور قبلہ رو ہورھی تھی ۔ جوں بی بی سکینہ کی صورت دیکھی ، اُلٹ گئی اور بی بی سکینہ کی طرف سے منہ زمین کی طرف ہوگیا ، اس واسطے کہ حضرت عباس علی علیہ السلام نے بی بی سکینہ سے پانی کا وعدہ کیا تھا ، وہ وفا نہ کر سکے ۔ اس شرمساری سے منہ بھی اُن کے سامنے نہ کیا ۔ لیکن جب بی بی سکینہ نے اپنے چچا جان کو اس حالت میں مشاہدہ کیا زلفوں کو نوچ ڈالا ، پچھاڑیں کھا کھا کر یہ نوحۂ جاں کاہ زبان حال سے ادا فرمایا :

نوحہ

لاشے پہ سکینہ یہی کہتی ہوئی آئی ، ہے ہے مرے عمو !
پانی کے لیے تم نے اذیت یہ اٹھائی ، ہے ہے مرے عمو !

بازو بھی ہوے دونوں جدا کٹ کے تن ہو گیا ٹکڑے
یہ کیسی تری شکل لعینوں نے بنائی ، ہے ہے مرے عمو !

پانی کے لیے ہاے تجھے جان سے مارا ، دریا کے کنارے
کچھ ساقی کوثر سے انھیں شرم نہ آئی ، ہے ہے مرے عمو !

گر جانتی میں تم کو وہاں قتل کریں گے ، تو جانے نہ دیتی
سقائی مری ہاے تمھیں راس نہ آئی ، ہے ہے مرے عمو !

اب کس سے کہوں گی کہ پیاسی ہوں چچا جاں ، لادو مجھے پانی !
دل سوز کوئی ایسا نہیں دیتا دکھائی ، ہے ہے مرے عمو !

افسوس بنایا تجھے تیروں کا نشانہ ، اور جان سے مارا
یہ چاند سی صورت تری لوھو میں ڈبائی ، ہے ہے مرے عمو !

دریا سے نہ لانے دیا اک پانی کا قطرہ ، ہیہات کسی نے
میں پیاسی رہی جان یہاں تم نے گنوائی ، ہے ہے مرے عمو !

اب کون اٹھاوے گا علم باپ کا میرے ، اس دشت بلا میں
نے اس کا علم دار ہے اب اور نہ بھائی ، ہے ہے مرے عمو !

بازو نہیں تیرے یہ کٹے تیغ ستم سے ، اے بازوے شبیر
یہ دست یداللہ پہ ہے ضرب لگائی ، ہے ہے مرے عمو !

تم مر گئے میں روتی ہوئی رہ گئی پیاسی ، پانی کو ترستی
اور اپنی پیاس آپ نے کوثر پہ بجھائی ، ہے ہے مرے عمو !

اے حیدری اب آگے بیان کیا کروں اس کا ، بھر آئی ہے چھاتی
جس طرح سے کہتی تھی وہ شبیر کی جائی ، ہے ہے مرے عمو !

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دسویں مجلس حضرت علی اکبر علیہ السلام کے شہید ہونے کی

قطعہ

یاد کر آل عبا کی تشنگی اے مومنو !
دیدۂ خوں بار سے دو اشک کا دریا بہا

جام کوثر سے کرے سیراب تم کو ہے یقیں
حشر کے دن آس کے بدلے حضرت مشکل کشا

اے مومنو ! یہ شب اخیر وہ شب ہے کہ جس میں حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے ؛ گوش دل سے سنو اور آنسو بہاؤ :

نظم

اے عزیزو ! اب علی اکبر بھی میداں جائے ہے
یہ تن شبیر سے باور کرو جاں جائے ہے

ہے نظر ہر یک کی جوں یعقوب خیمے کی طرف
اے عزیزو ! یہ مرا یوسف ز کنعاں جائے ہے

وقت گریہ ہے یہی اے عندلیب دل بجوش
باغ میں آئی خزاں یہ گل ز بستاں جائے ہے

از جوانی تا بہ پیری سر کو پیٹو مومنو
کیوں کہ اس دنیا سے یہ شاہ جواناں جائے ہے

دے کے سرمہ چشم میں اور کر کے کنگھی زلف میں
عید قرباں ہے یہ اکبر بہر قرباں جائے ہے

اب خیابان ریاض چشم سے شبیر کی
روح پیغمبر بہ مجرائے شہیداں جائے ہے

چتر بالوں کا کیا زینب نے اکبر کے لیے
شہر بانو اس کے آگے مو پریشاں جائے ہے

آہ و نالہ حسرت و افسوس و زاری اضطراب
آج اکبر اپنے ہم رہ لے یہ ساماں جائے ہے

شمع ساں کر گریہ و زاری تو اب اے حیدری
رونق بزم عزائے اشک ریزاں جائے ہے

اے مومنو ! جناب امام حسین علیہ السلام کے تعزیہ دارو ، و اے محفل آل عبا کے بیٹھنے والو ! اس سرور دو جہاں اور اس حامیٔ کون و مکاں کے غم و الم میں رو رو کر اپنے تئیں ہلاک کرو ؛ اس کا اجر حضرت خاتون قیامت سے بہ روز شمار لو ۔ اب اس بات کی دعا مانگو کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ کے متفکر رہنے اور تفکر کرنے کے صدقے سے اس کے ہوا خواہوں ، ماتم داروں کے دل مضمحل سے تفکر دنیا دور کرے کہ وہ ہر ایک اپنی اپنی خاطر جمعی و

کشادہ پیشانی سے اس راحت افزائے دل درد مند فاطمہ زہرا کے غم و الم میں بیٹھ کر رووے ، اوروں کو بھی اس بات کی ترغیب دیوے - اے یارو ! معلوم کرو کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو جناب خاتون قیامت نہایت چاھتی تھیں ، اپنی آنکھوں سے ایک دم جدا نہ ہونے دیتی تھیں -

کہتے ھیں کہ ماہ محرم کی دسویں شب حضرت امام حسین علیہ السلام از بس کہ حیران و پریشان خاطر تھے ، اس واسطے کہ اپنے اعجاز امامت و کرامت سے جانتے تھے کہ اس شب کی صبح میرے تمام خویش و اقربا ، یار و آشنا ، بھائی بھتیجے ، بھانجے ، بیٹے مارے پڑیں گے ، میرے سامنے مرغ بسمل کی طرح خاک کربلا میں بے دست و پا ہو کر تڑپیں گے -

یہ روایت نہایت صحیح و درست ہے کہ جس کسی بی بی کے لڑکے کا نام حسین ہوتا ہے اور وہ اسے پکارتی ہے کہ اے حسین ! کہاں ہے ؟ اس بات کے سنتے ھی جناب خاتون قیامت علیہا السلام وہاں حاضر ہوتی ہیں اور زبان مبارک سے فرماتی ھیں کہ اے خواہر بہ جان برابر ! ہزار جانیں فاطمہ کی اس نام حسین کے صدقے ! سچ کہہ تو کس حسین کو پکارتی ہے ؟ بی بی اپنے حسین کو یا میرے حسین شہید دشت کربلا کو ؟ اگر اپنے فرزند کو یاد کرتی ہے تو خدا اس کو سلامت رکھے ، مجھ فاطمہ کی طرح تجھے بے حسین نہ کرے ، اور اگر میرے حسین جانی کو طلب کرتی ہے تو اس غریب حسین و بے کس حسین و بے یار و بے یاور حسین کے نام پر رو ، اس کی مصیبت جاں کاہ کو یاد کر کے ہلاک ہو - خدا کی قسم ! تو جس قدر میرے نور نظر کے واسطے

اس دنیائے دوں میں گریہ و زاری کرے گی ، مین اتنا ھی فردائے قیامت کو تجھے خوش کروں گی ، کسی طرح کا رنج و ملال تجھ پر نہ آنے دوں گی -

یہ روایت از بس کہ صحیح و معتبر ھے کہ جناب امام حسین علیہ السلام ایک دم اپنے عزا داروں ھوا خواھوں سے غافل نہیں رھتے۔ اگرچہ وہ مشرق میں رھیں یا مغرب میں اپنا مسکن کریں ، پر حضرت امام حسین علیہ السلام انھیں اپنی نظروں ھی میں رکھتے ھیں -

کہتے ھیں کہ ایک زوار مشہد مقدس سے نکل کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے واسطے کربلائے معلٰی کی طرف متوجہ ھوا ؛ جب اس صحرائے ھول ناک کے قریب پہنچا ، اپنے قافلے سے چھٹ گیا -

اتنے میں اس بیابان کے رھنے والے قوم بدوی جو وھاں کی جانب و اطراف میں قزاقی کرتے پھرتے ھیں ، اکے دکے کو مار لیا کرتے ھیں ، اس سے دو چار ھوئے ؛ اُس کے ھاتھ سے اونٹ اور اسباب چھیننے لگے - وہ غریب بے کس اُن سے عہدہ برا نہ ھو سکا ، ادھر اُدھر دیکھنے لگا - اُس صحرائے جاں گزا میں کوئی یار و مددگار نظر نہ پڑا ؛ بے اختیار رونے لگا اور بہ آواز بلند کہنے لگا ”یا ابا عبداللہ ، اے حسین شہید دشت کربلا ! خبر لے میری ! آخر میں وطن آوارہ تیرا ھی زوار ھوں ، اس میدان میں ڈاکوؤں ، راہ زنوں کے ھاتھ سے لوٹا جاتا ھوں ، مارا پڑتا ھوں -“

اتنے میں ایک آواز ھیبت ناک اُس نے سنی کہ

السلام علیک السلام علیک اے زوار حسین ! میں آ پہنچا ، مت گھبرا ۔

وہ بے چارہ اس آواز کے سنتے ہی ششدر رہ گیا کہ یہ آواز کس کی ہے ، کہاں سے آتی ہے ! کہ اس کی داھنی طرف سے ایک غبار نمودار ہوا ۔ جب وہ غبار پھٹ گیا ، ایک جوان قوی ہیکل ، زرہ پوش ، تاج شاھی سر پر دھرے ، اسپ باد پا و برق آسا پر سوار اس گرفتار روزگار کے پاس آ کھڑا ہوا ۔ قزاق اس کی صورت دیکھتے ھی ڈرے ، اس زوار کا مال و اسباب اونٹ سمیت چھوڑ کر بھاگ گئے اور وہ سوار جدھر سے آیا تھا ، پھر آدھر ھی متوجہ ھوا ۔

اتنے میں اس زوار نے دوڑ کر اس کی رکاب سعادت انتساب کو بوسہ دیا اور التماس کیا کہ اے جوان مقبول حضرت سبحان و اے راحت افزاے دل دردمنداں ! اپنے ھاتھ پھیلا کہ ان کو چوموں ، اپنی چشم سے ملوں ۔

یہ بات سن کر اس سوار عالی مقدار نے کہا کہ اے زوّار ! مجھے اس بات کی تکلیف نہ دے ، واللہ میں ھاتھ نہیں رکھتا ۔ زوار نے التماس کیا کہ اے حامیٔ غریباں و اے والیٔ بے کساں ! ھاتھ کیا کیے ؟

اس بات کے سنتے ھی اس سوار نے ایک آہ سرد اپنے دل پر درد سے کھینچی اور یہ بات کہی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قدم مبارک پر کٹوا دیے ۔

زوار نے پوچھا کہ حضرت سلامت ؟ آپ کو جناب امام حسین علیہ السلام سے کیا قرابت ہے ؟ فرمایا کہ اے

زوار ! میں عباس علی سقائے سکینہ و علم بردار حسین ہوں اور اس کا بھائی کہلاتا ہوں ۔ اس وقت میں اپنے بھائی جان حسین علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں حاضر تھا ، تیری آہ و زاری کی آواز اُس جناب فیض مآب کے گوش مبارک میں پڑی ، مجھے ارشاد کیا کہ اے عباس ! جلد جا کر میرے زوار کو ڈاکوؤں سے چھڑا ۔ میں اس جناب پاک کے بہ موجب حکم و ارشاد کے یہاں آیا ہوں ۔

یہ بات وہ زوار سنتے ہی حضرت عباس علی علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں پر گر پڑا اور اُس کے قدم مبارک چوم چوم کر قریب ہلاکت کے پہنچا ، یہاں تک کہ غش کھا گیا ؛ جب ہوش میں آیا کسی کو نہ دیکھا ۔

پس اے یارو، جناب سیدالشہدا کے ہوا خواہو، ماتم دارو ! زوّار حضرت امام حسین علیہ السلام کا مرتبہ دیکھو ، اُس کی شفقت و مہربانی پر دھیان کرو کہ وہ نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ اپنے زواروں ، غلاموں پر کس قدر لطف و احسان کرتا ہے ، کیسا کیسا اُن کے آڑے آتا ہے ۔ سچ جانو ، اسی طرح وہ اپنے تعزیہ داروں ، محفل عزا کے بیٹھنے ہاروں پر بھی نگاہ رکھتا ہے ، ان کے حال زار کو نظر الطاف سے دیکھتا ہے

ہے ہے ! آج ہی کی رات باقی ہے اور یہی شب حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت و تعزیت سے تعلق رکھتی ہے ۔ قدرے اس کے بھی شہید ہونے کا احوال سنو ، چشمۂ چشم سے دریائے سرشک بہاؤ ۔

محنت و مصیبت کی محفل ہوش ربا کے سنوارنے والوں ،

تعزیت و مشقت کی بزم جاں گزا کے آراستہ کرنے ہاروں نے یہ حکایت دل سوز اور یہ روایت غم اندوز صفحۂ روزگر پر خامۂ اشک بار سے یوں لکھی ہے کہ جس وقت حضرت عباس علی علیہ السلام شہید ہوئے، جناب علی اکبر اس میدان جاں ستاں میں ہتھیار لگا کر جانے لگے ۔ یہ احوال پرملال دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کا کلیجا منہ کو آ رہا ، چہرۂ گل رنگ آس جناب پاک کا گل زعفران سے بھی زیادہ زرد و زار ہو گیا ۔

ہے ہے ! بے اختیار ہوئے اور اپنے آس راحت جان کو گلے سے لگا کر فرمانے لگے کہ اے نور دیدۂ حسین و اے سرور سینۂ حسین ! اب میں تن تنہا رہ گیا ، اس حالت میں تو مجھے چھوڑ کر میدان جاں ستاں میں نہ جا ۔ ہے ہے ! میں کس طرح اپنے سینے پر صبر و شکیبائی کی سل دھروں ، کس دل سے تیری جدائی گوارا کروں ۔ سوائے اس کے تیرا دیکھنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی زیارت کرنا ہے ؛ پس اے علی اکبر اس وقت تو مجھے اس دشت خوں خوار میں تنہا و ناچار نہ چھوڑ ، رشتۂ مہر و محبت نہ توڑ ۔ اے نور دیدۂ پدر و اے سرور سینۂ پدر ! سوائے تیرے اب میں کوئی یار و مددگر نہیں رکھتا ۔ ہے ہے ! مجھے ان ظالموں خوں خواروں میں ڈال کر کہاں چلا ؟ اے علی اکبر ! خدا کی قسم ! تجھے خاک و خوں میں بھرا نہ دیکھ سکوں گا ۔

یہ بات سن کر حضرت علی اکبر جناب امام حسین علیہ السلام کے قدم مبارک پر گر پڑے اور رو رو کر کہنے

لگے ''بابا جان! میں نہیں چاہتا کہ بے اس نور دیدۂ نبوی و سرور سینۂ مرتضوی کے ایک دم اس دنیا میں جیوں یا ایک لمحہ اس حسرت کدۂ دنیا میں رہوں ؛ آمید وار اس بات کا ہوں کہ مجھے بھی اپنے جیتے جی رخصت فرماویں ، اپنے قدم مبارک پر قربان کریں کہ میں ان ستم گروں خدا ناترسوں سے لڑوں ، اپنے بھائیوں ہوا خواہوں کا بدلا لوں ۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت امام حسین علیہ‌السلام رونے لگے اور جناب علی اکبر کو گلے سے لگائے ہوئے خیمۂ عصمت میں لے گئے ۔

بی بی شہر بانو سے فرمانے لگے کہ بی بی ! جس وقت حضرت اسماعیل کو راہ خدا میں قربانی کے واسطے لے چلے تھے ، آن کی مادر مہربان بی بی ہاجرہ نے حضرت اسماعیل کو کپڑے پہنائے تھے ، آنکھوں میں سرمہ دیا تھا ، زلفوں میں کنگھی کر کے مشک و عطر سے بسایا تھا : چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنے علی اکبر کو کپڑے پہناؤ ، آس کی نرگسی آنکھوں میں سرمہ دو ، زلفوں میں کنگھی کرو کہ جگربند ارجمند قربان گاہ میں جایا چاہتا ہے ۔

ہے ہے ! جس وقت حضرت شہر بانو علیہا السلام اس کار نیک انجام میں مشغول ہوئیں ، بید کی طرح کانپتی تھیں اور زار زار روتی تھیں ۔ بار بار آس راحت جان محمد مصطفیٰ و سرور افزائے دل درد مند علی مرتضیٰ علیہ السلام کو گلے لگاتی تھیں اور زبان مبارک سے فرماتی تھیں : ''اے نوجوان مادر و اے گل بستان مادر ! اجل نے نہ چاہا کہ میں تجھے دولھا دیکھتی ، بنا بناتی ۔ ہے ہے ! اے علی اکبر !

شہر بانو جیوے اور تو شہادت گاہ میں جا کر اپنا سر کٹواوے !

حاصل کلام حضرت علی اکبر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے حجرۂ خاص میں لے گئیں اور رو رو کر کہنے لگیں کہ اے پردۂ عصمت کی بیٹھنے والیو ، و اے جناب امام حسین علیہ السلام کی بہنو ، بیٹیو ! جلد تشریف لاؤ کہ میرا علی اکبر عروس اجل کو بیاہنے جاتا ہے ، تخت تابوت سے سہرا بندھاتا ہے ۔

ہے ہے ! اس بات کے سنتے ہی تما . بی بیاں اس ماہ سپہر امامت و کرامت کے گرد ہالہ وار ہو گئیں اور اس شمع دودمان نبوت کی چاروں طرف پروانہ وار شعلۂ حسرت سے جلنے لگیں ۔

اتنے میں بی بی شہر بانو نے جناب امام حسین علیہ السلام سے عرض کی کہ اے گل گل زار محمد مصطفیٰ و اے سرو جوئبار علی مرتضیٰ ! علی اکبر کو نہلانے کی خاطر تھوڑا سا پانی چاہیے ۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے رو دیا اور کلیجا تھام کر ارشاد کیا کہ اے بانوے بے کس و اے خاتون بے بس ! علی اکبر کے غسل کرنے کی خاطر پانی کچھ درکار نہیں ؛ خاک میت سے نہلاؤ ، سوہے باگے کے بدلے کفن پہناؤ ، اپنے گلے لگا کر بنا بناؤ ۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت علی اکبر نے اٹھ کر خاک کربلا سے تیمم کیا ۔ جناب شہر بانو علیہا السلام نے

اُن کی نرگسی آنکھوں میں سرمہ دیا ، زلفوں کو جھاڑا ، عطر و عنبر بغلوں میں لگایا ، خلعت فاخرہ بطور کفن کے پہنایا ۔

ہے ہے ! ایک بازو حضرت بی بی زینب نے پکڑا اور ایک بازو بی بی شہر بانو نے تھاما ؛ آہستہ آہستہ اپنے ساتھ لیے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دیا ۔

سبحان اللہ ! وہ جوان رعنا اٹھارہ برس کا تھا ؛ گلشن محمد مصطفیٰ کا سرو رواں ، علی مرتضیٰ کا گل خنداں ؛ دونوں طرف زلفیں چھوٹی ہوئیں ؛ سلاح حرب سے آراستہ ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے حجرے کو آیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ بابا جان مجھے اجازت میدان دو ، اس سے زیادہ انتظاری میں نہ رکھو ۔

ہے ہے ! اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے کلیجے پر صبر کی سل دھری ، جناب علی اکبر کو اجازت حرب دی ۔

حضرت علی اکبر اپنے بابا جان سے رخصت ہو کر خیمۂ عصمت میں تشریف لائے اور اپنی پھپھیوں ، چچیوں ، بہنوں سے کہنے لگے کہ اے بے کسو ، علی اکبر کی چاہنے والیو ! اپنے علی اکبر کو رخصت کرو کہ بار دیگر اسے نہ دیکھوگیں ، اپنے اس نوجوان کو تا حشر نہ پاؤ گیں ۔

یہ بات کہہ کر آگے بڑھے ، اپنی مادر مہربان کے روبرو ھاتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے ؛ رو رو کر کہنے لگے

کہ اے مادر مہربان ! علی اکبر یہ بات نہیں چاھتا کہ بابا جان اپنا سر کٹاوے اور اماں جان بیوہ کہاوے ؛ اس واسطے اُمیدوار اس بات کا ھوں کہ مجھے رخصت کرو ، دودھ بخشو ، قصور معاف کرو ۔

ھے ھے ! حضرت شہر بانو اس نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ کا منہ دیکھتی تھیں اور بلبل تصویر کی طرح خاموش کھڑی تھیں ۔ چشمۂ چشم سے دریاے سرشک بہا جاتا تھا ، کلیجا منہ کو چلا آتا تھا ۔

ھے ھے ! اتنے میں یہ بات کسی نے بی بی سکینہ سے کہی کہ اے جان حسین و اے روح روان حسین علیہ‌السلام اب تمھارا بڑا بھائی علی اکبر بھی قربان گہ میں اپنا گلا کٹانے چلا ۔

اس بات کے سنتے ھی بی بی سکینہ سر و پا برھنہ دوڑیں اور حضرت علی اکبر کا دامن پکڑ کر کہنے لگیں کہ اے جان خواھر و اے راحت افزاے دل بے قرار خواھر ! مجھے بے بھائی نہ کر ، براے خدا میدان جاں ستاں میں نہ جا ، مجھ بے کس و نادان بہن پر رحم کھا ، کیوں کہ جو کوئی وھاں جاتا ھے وہ پھر جیتا نہیں آتا ۔

حضرت علی اکبر اس بہن خورد سال کو بہت سا سمجھا بجھا کر حضرت امام حسین علیہ‌السلام کی خدمت فیض درجت میں تشریف لائے ۔

ھے ھے ! اس وقت امام حسین علیہ‌السلام نے جناب علی اکبر کو اپنے ھاتھوں گھوڑے پر سوار کیا ، خون دل

آنکھوں سے بہا دیا اور تھوڑی دور تک پہنچا دیا ۔

یہ روایت حضرت بی بی زینب سے منقول ہے کہ اس وقت میں نے جناب امام حسین علیہ‌السلام کا منہ دیکھا کہ ایک ایک رنگ جاتا تھا اور ایک ایک آتا تھا ؛ یہاں تک کہ وہ چہرۂ سرخ و سفید زرد ہو گیا ، دریاے سرشک آنکھوں سے بہنے لگا ۔

اور حضرت علی اکبر نے میدان کار زار میں جا کر نشان محمدی کھڑا کیا اور اس غزل کو زبان مبارک سے ادا کیا :

غزل

ساقیٔ کوثر آب چاہے ہے
میر مجلس شراب چاہے ہے

پنجۂ شیر در طریق خطر
آہ آز کلاب چاہے ہے

کون ایسا کٹر ہے زہرا کے
جو جگر کو کباب چاہے ہے

حیف ہے اس پہ گیسوے شبیر
خون سے جو خضاب چاہے ہے

دوست جائے بہشت ڈھونڈے ہے
دشمن دیں عذاب چاہے ہے

حیدری تجھ سے مخلصی شاہا !
اپنی روز حساب چاہے ہے

اور ان کافروں بد نہادوں نے جوں حضرت علی اکبر

علیه السلام کو میدان جاں ستاں میں دیکھا ، به آواز بلند کہا کہ اے یارو ! خبردار ہو کہ اس وقت حضرت محمد مصطفیٰ جناب امام حسین علیه السلام کی مددگاری کے واسطے روضۂ رضوان سے تشریف لائے ہیں ، اب کس سے لڑو گے ؟ بہتر ہے کہ اپنی اپنی راہ لو ۔ اور حضرت علی اکبر ہر ایک طرف اپنا اسپ باد پا کڑکا جاتے تھے ، لشکر شام و کوفه کو درهم برهم کر ڈالتے تھے ؛ ایک آن میں سینکڑوں حرام زادوں کو مارا ، جہنم واصل کیا ۔

جب کوئی ملعون اس جوان ہاشمی کے رو برو نه آیا ، حضرت علی اکبر ۔ اپنا اسپ گل گوں نژاد خیمۂ ملک طواف کی طرف پھیرا اور جناب امام حسین علیه السلام کی خدمت فیض درجت میں آ کر التماس کیا که بابا جان ! پیاسا ہوں ، اگر ایک چلو پانی پاؤں تو خدا کی قسم ایک ہی حملۂ صف شکن سے ان کافروں کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے مٹا دوں ۔

یه بات سن کر حضرت امام حسین علیه السلام نے گلے لگا لیا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی الله علیه و آله وسلم کی انگشتری ان کے منه میں ڈال کے ارشاد کیا که اے علی اکبر! مت گبھرا ، قریب ہے حوض کوثر پر اپنے دادا علی مرتضیٰ کے ہاتھ سے سیراب ہووے ، گلشن بہشت میں اپنے بھائیوں کے ساتھ سیر کرے ۔ اور تمام بی بیوں نے جدا اس گل گلشن محمدی اور اس در دریاے حیدری کو گھیر لیا ، بلائیں لے لے کر اپنے تئیں قریب ہلاکت کے پہنچایا ۔

ہے ہے ! اتنے میں حضرت علی اکبر نے پھر میدان

جـان ستان کی طرف رخ کیا اور اس لشکر مخالف کے سامنے جا کر یہ قطعہ بہ طور رجز کے اپنی زبان تشنہ سے ادا فرمایا :

قطعہ

میں علی اکبر ہوں جان مصطفیٰ کا نور عین
خسرو انجم ہے میرے در کا اک ادنیٰ غلام

میں ہوں اس شہ کا پسر کہتی ہے جس کی قدر دوں
خطبۂ عزو شرف لکھا گیا ہے میرا نام

میں عناں گھوڑے کی کب لیتا ہوں اس میدان سے
توسن گردوں کی ہے اب ہاتھ میں میرے لگام

حیدری میں کیا کروں احوال اکبر کا رقم
ہو چلا ٹکڑے جگر بس لے قلم کو اپنے تھام

ہے ہے ! اتنے میں وہ سپاہ گم راہ اس سپہر امامت اور اس ماہ اوج جلالت پر ابرسیاہ کی طرح گھر آئی ، چاروں طرف سے تیر و تبر خنجر جمدھر کا مینہ برسانے لگی -

آخرکار وہ راحت جان حیدر کرار مارے زخموں کے چور چور ہوگیا ، ھرنے پر سر دھر کے غش میں آیا ، گھوڑے کی باگ دست مبارک سے چھٹ گئی - اس اسپ وفا دار نے اس سوار زخم دار کو اپنی پیٹھ سے لگائے ہوئے فوج مخالف سے نکل کر کسی اور طرف کی راہ لی - اس واسطے حضرت علی اکبر جناب امام حسین علیہ السلام کی نظر مبارک سے اوجھل ہو گئے -

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس راحت جان و روح رواں کو اس میدان جان ستان میں

نہ دیکھا رو دیا ، اور ذوالجناح کو وہاں سے کڑکا کر اپنے تئیں میدان کارزار میں پہنچایا ؛ وہاں بھی نہ پایا، کلیجا پکڑ لیا ، تمام جہان آنکھوں میں تیرہ و تار ہوگیا ۔ بے اختیار ہوئے ، رو رو کر فرمانے لگے : ''اے علی اکبر ، اے علی اکبر ! تو کدھر گیا ، اس معرکۂ جاں ستاں سے کیا ہوگیا ۔''

اتنے میں ایک آواز آئی ''ادرکنی ، ادرکنی'' بابا جان ! خبر لو اپنے زخمی فرزند کی ۔ جناب امام حسین علیہ السلام اس آواز درد ناک کی طرف متوجہ ہوئے ؛ وہاں بھی نہ پایا ، پھر رو رو کر کہنے لگے : ''اے علی اکبر ، اے علی اکبر ! کس طرف ہے اور کیا کرتا ہے ؟'' اتنے میں پھر ایک آواز سنی کہ ابتاہ بابا جان ادرکنی ، اپنے تئیں جلد پہنچاؤ ، میری خبر لو ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے فرزند ارجمند کی آواز سنتے تھے اور لشکر اعدا درہم برہم کرتے تھے ، پر اس راحت جاں کو اس میدان جاں ستاں میں نہ پاتے تھے ، ہر ہر قدم پر اس فرزند کی خاطر غش کھاتے تھے ۔

سچ ہے کہ حضرت علی اکبر ایسا ہی فرزند ارجمند تھا ، پھر ایسا حال جناب امام حسین علیہ السلام کا اس کے واسطے کیوں نہ ہوتا ۔ سبحان اللہ ! اٹھارہ برس کی عمر میں یکتائے جہان و مرد میدان ہوا ؛ از بس کہ حسین و مہ جبیں ، ہم شکل محمد مصطفیٰ و راحت جان علی مرتضیٰ تھا ، حضرت امام حسین علیہ السلام آٹھوں پہر اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے ، ایک دم پلک سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے ۔

جس وقت کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے

بار دیگر جناب علی اکبر کی آواز نه سنی ، بے قرار ھوئے؛ ادھر آدھر ذو الجناح دوڑانے لگے اور بہت دور نکل گئے۔

ھے ھے ! حضرت علی اکبر علیه السلام ایک ریگستان میں ماھیٔ بے آب کی طرح تڑپتے تھے اور یه قطعه زبان مبارک سے فرماتے تھے :

قطعه

ره گزر میں ھے پڑا اے بخت گر میرا غبار
بہر حق اس شه سوار دو جہاں کو لا ادھر

جی نہیں تن سے مرے نکلے ھے از بہر خدا
کوے جاناں میں یه لے جا میری جانب سے خبر

اس آواز درد ناک کے سنتے ھی حضرت امام حسین علیه السلام گھوڑے سے آتر پڑے ، آن کے سرھانے جا بیٹھے ، اپنی گود میں سر مبارک دھر کر آستین مبارک سے ان کا رخ خوں آلود گرد سے پاک کیا اور اپنی زبان معجز بیان سے فرمایا که اے جان بابا ، و اے روح روان بابا ! اب تو نے اس غم کدۂ دنیا سے نجات پائی ، میری بھی زندگانی تمام ھوئی۔ بیٹا ! اگر تو ھی نہیں تو خاک پڑے اس دنیا اور اس زندگانی پر ! خوش ھو که میں بھی تیرے پیچھے پیچھے آ پہنچتا ھوں۔

یه بات کہه کر حضرت علی اکبر کو اپنے گھوڑے سے باندھ لیا ، خیمۂ عصمت کی طرف رخ کیا ؛ اس وقت حضرت علی اکبر میں کچھ رمق باقی تھی۔ جب خیمۂ عصمت میں لے آئے ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے اور تمام اھل بیت

رسالت سے فرمانے لگے کہ اے زینب دل خستہ و اے کلثوم جاں برشتہ ! اے بانوے ناچار و بے کس و اے سکینۂ دل فگار و بے بس ! جلد آؤ ، اپنے علی اکبر کا دیدار آخری دیکھو ۔

ہے ہے ! اس بات کے سنتے ہی تمام بی بیوں ، پردۂ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیوں نے جناب علی اکبر کے گرد آ کر ایک حشر برپا کیا ، خانۂ رسالت میں ایک کہرام سا پڑ گیا ۔ اُس وقت حضرت علی اکبر نے اپنی آنکھیں کھول دیں ۔ تمام بی بیوں ، ماں بہنوں ، پھپھیوں ، چچیوں سے یہ بات کہی کہ اب مجھے رخصت کرو ۔ آہ ، واویلا !

اتنی بات کہہ کر اُس نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ نے غش کھایا ؛ بلبل روح نے قالب عنصری چھوڑ کر بال شہادت سے گلشن جنت کی طرف پرواز کیا ۔

بی بی شہر بانو اُن کے تلوے اپنی آنکھوں سے ملتی تھیں اور یہ نوحہ جان کاہ زبان حال سے ادا کرتی تھیں :

نوحہ

بانو نے کہا پیٹ کے سر خاک اُڑا کر ہے ہے علی اکبر !
کس طرح کا نیزہ یہ لگا چھاتی کے اندر ہے ہے علی اکبر !
ہم شکل نبی تجھ کو لعینوں نے نہ جانا اے احمد ثانی !
اور تجھ کو نہ سمجھے خلف سبط پیمبر ہے ہے علی اکبر !
کیا ان کو نہ معلوم تھا ہے زہرا کا پوتا یہ سرو خراماں
کر ڈالا قلم باغیوں نے تیغ سے کیوں کر ہے ہے علی اکبر !

اک بارگی جو خوف نبی دل سے بھلایا ، اور تجھ کو کیا قتل
کافر تھے مسلماں تھے یہ کرے تھے ستم گر ہے ہے علی اکبر!

چھاتی کا تری دیکھ کے سوراخ پیارے پھٹتا ہے کلیجا
فریاد کروں کس سے میں قسمت جلی جا کر ہے ہے علی اکبر!

اٹھارہ برس کی یہ جوانی تری بیٹا ماٹی میں ملائی
کس لشکر بے پیر نے با دشنہ و خنجر ہے ہے علی اکبر!

یہ شکل تری مجھ سے تو دیکھی نہیں جاتی احمد کی دہائی
مارا ہے لعینوں نے مری کوکھ میں خنجر ہے ہے علی اکبر!

یہ آگ مری آتما کی کیوں کہ بجھے گی بے طرح ہے بھڑکی
کس سے کہوں سوزش ہے جو کچھ سینے کے اندر ہے ہے علی اکبر!

لوٹی گئی میں آن کے اس دشت بلا میں گردش سے فلک کی
جو تجھ سا مرا چاند ملا خاک کے اندر ہے ہے علی اکبر!

تا حشر تڑپتی رہوں گی گور کے اندر اس درد سے بیٹا!
ہرگز نہ لگے گی یہ مری پیٹھ زمیں پر ہے ہے علی اکبر!

یہ حیدری نے کیا کہوں وہ نوحہ کہا ہے مت پوچھو عزیزو
جس نے یہ سنا کہنے لگا آنسو بہا کر ہے ہے علی اکبر!

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گیارھویں مجلس حضرت علی اصغر کے جناب امام حسین علیہ السلام کی گود میں جانے اور میدان قتال میں جام شہادت سے سیراب ہونے کی

قطعہ

خاک ڈالو سر پہ رو رو اس گھڑی اے مومنو !
حضرت شبیر تم سے آج ہوتا ہے جدا
نے رہے عباس و قاسم نے علی اکبر رہا
ہے غضب تنہا چلا خیمے سے شاہ کربلا

اے مومنو ، محفل عزا کے بیٹھنے والو و اے یارو ، جناب سید الشہدا کی مجلس مصیبت کے سنوارنے ہارو ! یہ گھڑی دو گھڑی رات جو باقی ہے ، غنیمت جانو کہ صبح ہوتے ہی تمھارا آقا میدان جاں ستاں میں جاوے گا اور اپنا حلق تشنہ خنجر آب دار سے کٹاوے گا ۔ لازم ہے کہ سر پر خاک ڈالو ، بھس اڑاؤ ، جس قدر رو سکو اس کے ماتم جاں کاہ میں روؤ ۔ یہ اشک باری تمھارے کام آوے گی ، حشر کے دن

موجب نجات کا ہووے گی۔ اب دو کلمے درد و غم سے بھرے اور رنج و الم سے ملے ہوۓ اپنے آقا کی الوداع کے سنو کہ اہل بیت رسالت سے رخصت ہوتا ہے اور ذوالجناح اپنی سواری کو منگاتا ہے ؛ ہے ہے ، ہے ہے !

نظم

آدم ہے اس مصیبت پُر غم میں مبتلا
ڈوبا سفینہ نوح کا در موج کربلا

دیکھی ہے تو نے آتش نمرود اے خلیل
شبیر کے جگر کا بھی ٹک شعلہ دیکھ آ

موسیٰ نے کس الم میں کیا جامہ نیل گوں
عیسیٰ ہے سرخ پہنے ہوۓ کس لیے قبا

گویا برائے ماتم سلطان دیں حسین
روتے ہیں اس قدر جو یہ سب مل کے انبیا

ہے ہر نبی برائے نبی خستہ و ملول
کیسا جگر پہ داغ نبی کے یہ پڑ گیا

سر پیٹیں اس الم میں علی کچھ عجب نہیں
کھاویں پچھاڑیں فاطمہ اس غم میں ہے بجا

ہے شور و غل زمیں سے لگا کر یہ تا بہ عرش
اس غم میں جس کو دیکھو وہی سر پٹک رہا

خیمے میں بیٹھی روتی ہیں زہرا کی جائیاں
ڈیوڑھی پہ سرنگوں ہے کھڑا شہ کا باد پا

تحریر اس الم کو کروں کیا میں حیدری
رخصت حرم سے ہو کے چلا شاہ کربلا

حکایات جگر سوز کے لکھنے والوں اور روایات غم اندوز کے بیان کرنے هاروں نے اس احوال جاں گزا اور اس ماجرائے هوش ربا کو صفحۂ دل پر قلم آہ سے یوں رقم کیا هے کہ ماہ محرم کی دسویں تاریخ صبح سے لے کر ظہر تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے جتنے بھائی ، بھانجھے ، بھتیجے تھے ، سوائے جناب علی اصغر و حضرت زین العابدین اور جناب، امام حسین علیہ السلام کے ، دشت کربلا میں جام شہادت پی کر سیراب هو چکے تھے ، درجۂ شہادت کو پہنچ چکے تھے -

کہتے هیں کہ ان سب شہیدوں خدا رسیدوں کی خاطر اتنی بے حواسی و بے طاقتی خیمۂ اهل بیت رسالت میں کسی کو نہ هوئی تھی جس قدر آہ و زاری حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذوالجناح پر سوار هونے کے وقت آن بی بیوں پردۂ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیوں نے کی ؛ اپنے تئیں قریب هلاکت کے پہنچایا ، پچھاڑیں کھا کھا کر خاک میں ملایا -

خصوصاً حضرت شہر بانو اور بی بی سکینہ نے ایک کہرام مچا دیا - زمین و آسمان میں ایک تہلکہ سا پڑ گیا ؛ یہاں تلک رقت کی کہ چرندوں پرندوں نے آن کی حالت دیکھ کر اپنی چشم دریا بار سے سیل اشک کی ایک ندی بہائی -

اتنے میں بی بی زینب علیہاالسلام نے آ کر عرض کی کہ اے جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! اس روزگار جفا کار کے ظلم و ستم سے خانۂ اهل بیت رسالت پر کیا کیا نہ هوا ، کس کس بات پر هم غریبوں بے کسوں

نے صبر نہ کیا ، لیکن اب کلیجا منہ کو چلا آتا ہے ، جگر پھٹا جاتا ہے ، اصغر کا سسکنا نہیں دیکھا جاتا ۔ ہے ہے ! اس کی مادر مہربان کا دودھ خشک ہو گیا ، وہ شیرخوار مارے پیاس کے قریب ہلاکت کے پہنچا ؛ ایک بوند پانی ملے کہ اس کی ننھی سی جان بچے ۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے رو دیا اور فرمایا کہ اس تشنہ لب و خستہ جگر کو میرے پاس لے آؤ ، میں ان کافروں بے ایمانوں کے سامنے لے جاؤں ، شاید کچھ ترس کھاویں ، اس میرے ننھے مسافر کو تھوڑا سا پانی پلاویں ۔

بی بی زینب خاتون حضرت علی اصغر کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس لے گئیں ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آن کی گود سے لے لیا ، خیمۂ مطہر سے نکل کر میدان جاں ستاں کا عزم کیا ؛ ذوالجناح پرسوار ہوے ، اس گروہ شام اور کوفہ کے روبرو جا کر کہنے لگے کہ اے یارو ، خدا نا ترسو ! اگر تمھارے زعم بد میں میں گنہ گر ہوں یہ طفل شیرخوار و دل فگار تو نہیں ؛ براے خدا اس جگر گوشۂ ساقی کوثر پر رحم کھاؤ ، ایک بوند پانی پلاؤ ۔ سچ کہتا ہوں کہ اس نادان کی ماں کا دودھ سوکھ گیا ہے ، مارے پیاس کے کلیجا منہ کو آ رہا ہے ۔

یہ بات سن کر آن ظالموں ، سنگین دلوں اور آن کافروں ، بد نہادوں نے جواب دیا کہ اے جان پیغمبر آخرالزمان و اے روح روان حامیٔ کون و مکان ! اگر تمام

جہاں کا پانی ہمارے ہاتھ میں ہووے تو بھی ۔ حکم پسر زیاد کے آپ کو ایک بوند نہ دیں گے ، تم کو اور تمھارے فرزندوں کو پیاسا ماریں گے ۔

ہے ہے ! اسی گفتگو میں تھے کہ عروہ نام ایک ستم گار ناہنجار نے ، جس کو حرمل ابن کاہل بھی کہتے ہیں اور تیراندازی میں بھی نہایت مہارت رکھتا تھا ، اپنی کمان کے چلّے سے تیر ملایا ، جناب امام حسین علیہ السلام کی طرف مارا ۔

ہے ہے ! وہ تیر حضرت علی اصغر کے حلقوم خشک کے دوسار ہوا ، جناب شبیر علیہ‌السلام کے بازو سے گزر گیا ۔

یہ حالت دیکھ کر اس جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ اور اس سرور سینۂ علی مرتضیٰ علیہما‌السلام نے رو دیا ؛ اپنے کلیجے پر ہاتھ دھر کے وہ تیر جاں ستاں حضرت علی اصغر کے حلقوم تشنہ سے لہو بھرا ہوا نکال لیا ؛ وہیں ایک فوارہ خون کا اس نازنین کے حلق خشک سے چھٹنے لگا ، خون ناب بہہ چلا ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اس لخت جگر کا خون پاک اپنے دامن مبارک سے پاک کرتے تھے ، زمین پر نہ گرنے دیتے تھے ۔

آخرکار اس شہید طفل شیر خوار کو گلے لگائے ہوئے خیمۂ عصمت میں لے آئے ؛ بی بی شہر بانو کو بلا کر کہنے لگے کہ اس شہید بے کس اور اس مظلوم بے بس کو لو ، یہ نو نہال باغ امامت اور یہ گل گلشن ولایت بھی آب کوثر سے سیراب ہوا ، روضۂ رضوان کی طرف چل بسا ۔

ہے ہے ! بی بی شہر بانو نے اس دُرّ دریائے رسالت و سیادت کو گلے لگا لیا اور ایک آہ سرد اپنے دل پر درد سے کھینچ کر غش کھایا ؛ جب ہوش میں آئیں یہ بیتیں پڑھنے لگیں :

ابیات

جس گھڑی بیٹا ! مری گودی سے تو جاتا رہا
یہ جہاں آنکھوں میں سب میری اندھیرا ہوگیا

راحت افزا تھا تو ہی بیٹا اب اس احوال میں
اُٹھ گیا سو اس جہاں سے کون غم کش ہو مرا

چل بسا باغ جہاں سے اے گل بستان جاں !
خار ھجراں اب مرے دل میں کھٹکتا رہ گیا

لیکن جب یہ حالت بی بی شہر بانو کی حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھی ، رو دیا اور ارشاد کیا کہ بی بی ! صبر کرو ، اپنے تئیں بھی ھاتھ سے نہ دو ۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ حضرت امامِ حسین ، جناب علی اصغر کو میدان جاں ستاں سے خیمۂ عصمت میں لے آئے ، رو رو کر کہنے لگے کہ اے بی بیو ، پردۂ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیو ! جلد آؤ ، اس طفل شیر خوار کو بھی آب کوثر سے سیراب کیا ۔

اس بات کے سنتے ھی بی بی زینب و کلثوم و بی بی سکینہ و جناب شہر بانو نے آ کر اس شمع دودمان محمد مصطفیٰ اور اس گل گلشن علی مرتضیٰ کے گرد ھجوم کیا ، پچھاڑیں کھا کھا کر اپنے تئیں قریب ھلاکت کے

پہنچایا ۔ خصوصاً بی بی شہر بانو نے یہ آہ و زاری کی ، غش کھایا ؛ جب ہوش میں آئیں ، یہ نوحۂ جاں کاہ با اشک و آہ ادا کیا :

نوحہ[۷]

بانو نے کہا پیٹ کے سر دے کے دہائی ہے ہے علی اصغر !
تقدیر نے مجھ ماں کو تری لاش دکھائی ہے ہے علی اصغر !

ارمان تھا دل میں کہ ترا بیاہ کروں گی چھوٹے ہی سے سن میں
سو سال گرہ بھی یہ تری ہونے نہ پائی ہے ہے علی اصغر !

افسوس مرے سامنے بنڑا نہ بنا تو یہ رہ گیا ارمان
بنڑی بھی تری بیاہ کے میں گھر میں نہ لائی ہے ہے علی اصغر !

تم کھیل گئے ہاتھوں ہی ہاتھوں پہ صد افسوس اے لاڈلے میرے
پاؤں بھی تمھیں چلتے نہ میں دیکھنے پائی ہے ہے علی اصغر !

یہ کرتے شلوکے کہو پہناؤں میں کس کو اور گہنا تمہارا
یاں تم کو تو تقدیر نے ہی کفنی پنہائی ہے ہے علی اصغر !

میں کہتی تھی تو فاتحہ دلواوے گا میری اور دفن کرے گا
افسوس ترے آگے مجھے موت نہ آئی ہے ہے علی اصغر !

کسطرح سے بے خود پڑے سوتے ہو کہ ابتک کروٹ بھی نہیں لی
ایسی تمھیں معتاد یہاں کس نے کھلائی ہے ہے علی اصغر !

یہ چاند مرا ڈوب گیا خوں کی شفق میں کھا تیر کی پیکاں
اس غم سے مری آنکھوں میں ہے تیرگی چھائی ہے ہے علی اصغر !

آواز مری سنتے ہی آتے تھے مرے پاس گودی میں ہمک کر
اب رونا مرا سن کے پلک بھی نہ اٹھائی ہے ہے علی اصغر !

کل تک تو پڑے کرتے تھے آنکھوں سے اشارے تم دودھ کی خاطر
یہ آج خموشی تمھیں کس طرح کی آئی ہے ہے علی اصغر!

نہلاتی نہ تھی میں کبھی انگنائی میں تجھ کو اے یوسف ثانی
یاں لاش تری خون کے دریا میں نہائی ہے ہے علی اصغر!

مجھماں سے جو تم روٹھ کے جنگل میں پڑے ہو اے نازنیں میرے!
یہ گود مری پیارے تمھیں کیوں نہ خوش آئی ہے ہے علی اصغر!

بے گود مری نیند نہ آتی تھی تمھیں ہائے اے پیارے گھڑی بھر
اب نیند تمھیں خاک پہ کس طرح سے آئی ہے ہے علی اصغر!

سنتا نہیں فریاد یہاں اس گھڑی کوئی مجھ کو کھ جلی کی
دیتی ہوں کھڑی کب سے محمد کی دھائی ہے ہے علی اصغر!

اے حیدری اب تاب کہاں کیوں کہ لکھیں ہم اس دکھیا کی زاری
جس طور سے کہتی تھی وہ قسمت جلی مائی، ہے ہے علی اصغر!

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بارھویں مجلس حضرت امام حسین علیہ السلام کے میدان جاں ستاں میں جانے اور جام شہادت سے سیراب ہونے کی

کہتے ہیں کہ حضرت علی اصغر سمیت ستر دو بہتر تن نے شربت شہادت دشت کربلا میں پیا، رخت زندگانی اس دار فانی سے اٹھایا، عالم جاودانی کی طرف رخ کیا۔ بعد ان کے اور کوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کا یار و مددگار سوائے پروردگار کے نہ رہا، مگر ایک حضرت زین العابدین علیہ السلام کہ وہ نہایت بیمار تھے، مارے تپ کے بستر ناتوانی سے اٹھ نہ سکتے تھے۔

ہے ہے! جب اپنے تئیں حضرت امام حسین علیہ السلام نے تن تنہا دیکھا، رو دیا؛ دریائے خوں چشمۂ چشم سے جاری کیا اور اہل بیت رسالت نے زبان حال سے یہ قطعہ پڑھا:

قطعہ

دیدۂ انصاف ہوتے اے فلک بینا اگر
تو اکیلا بن میں یوں رہتا نہ شاہ کربلا

دیکھ کر اس کی غریبی اور اس کی بے کسی
مصطفیٰ ہوتے اگر بن میں تو وہ کرتے بکا

تاب کیا تھی پھر کوئی تیغ اس کے آگے کھینچتا
مرتضیٰ گر صاحب شمشیر واں ہوتا کھڑا

فاطمہ اس تشنہ لب کے واسطے سر پیٹتی
چاک کرتی پیرہن گر دیکھتی یہ ماجرا

گر حسن خستہ جگر کربل میں ہوتے اس گھڑی
بھائی کے ہوتے الم میں اشک بار و مہربان

ہے غضب وہ بادشاہ دو سرا اے حیدری
بے کفن ، بے گور ، دشت کربلا میں ہو پڑا

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ اس حالت بے کسی میں حضرت امام زین العابدین جناب امام حسین علیہ السلام کے حضور پر نور میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! چاہتا ہوں کہ میں بھی اس میدان کارزار میں جاؤں ، حضور اقدس کے قدم مبارک پر اپنا سر کٹاؤں ، اپنے بھائیوں سے ملوں ، درجۂ شہادت حاصل کروں ۔

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اس راحت جان کو گلے لگا کر فرمانے لگے

"اللہ اللہ ! اے جان پدر و اے روح روان پدر ! برائے خدا ، خیمۂ عصمت و عفت سے باہر نہ جا ، میدان جاں ستاں میں جا کر اپنا گلا نہ کٹا ، کیوں کہ میں نے اماں فاطمہ زہرا اور بابا علی مرتضیٰ علیہما السلام کی زبان در افشاں سے سنا ہے کہ میری نسل تیرے جینے سے باقی رہے گی ، قیامت تک یہ منقطع نہ ہووے گی ۔ اس واسطے اب تجھ کو وصیت کرتا ہوں کہ گھر میں بیٹھے رہو ، آں کی اہل بیت رسالت کے سر پر اپنے دامن دولت کا سایہ کرے اور وہ امانتیں بھی جو نانا محمد مصطفیٰ اور بابا علی مرتضیٰ و حسن مجتبیٰ نے مجھے سونپی تھیں ، تیرے حوالے کرتا ہوں ۔ وہ امانتیں یہ ہیں ، یعنی کلام الٰہی اور تمام حقایق نامتناہی و احادیث رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔

اتنی بات کہہ کر وہ امانت ہائے اولین و آخرین اور جتنے علوم تھے کہ وہ سوائے اہل بیت رسالت کے اور کسی پر نہ کھلے تھے ، سب کے سب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پر ظاہر کر دیے ، اس لیے کہ وہ جگر گوشۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ میدان رضائے الٰہی میں قدم دھرے ، صبر و شکیبائی سے ہاتھ نہ اٹھاوے ۔

ہے ہے ! بعد اس کے بی بی شہر بانو سے فرمانے لگے کہ اے یار وفادار و اے مونس غم خوار ! ہمارا دست بقچہ لاؤ ، اب ہمیں بھی رخصت فرماؤ : مصرع

چل بسے سب یار و یاور اب مری باری ہوئی

ہے ہے ! اس بات کے سنتے ہی خیمۂ اہل بیت رسالت

میں ایک حشر برپا ہوا ، پردۂ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیوں نے اپنے تئیں پیٹ پیٹ کر قریب ہلاکت کے پہنچایا ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جامۂ مصری پہنا ، عمامۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے سر مبارک پر رکھا ، حضرت امیر حمزہ سید الشہدا کی سپر دوش شریف سے لگائی ، ذوالفقار جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام حمایل کی ، ذوالجناح پر سوار ہوئے اور زبان مبارک سے فرمانے لگے :

نظم

اب مری باری ہوئی لو الوداع
الوداع اے دوست دارو الوداع

دکھ بہت دیکھو گے مرنے سے مرے
میں چلا کہتا ہوں رو رو الوداع

میں کہاں اور تم کہاں اے بے کسو
آخری ہے تم سے مجھ کو الوداع

سر کروں گا آج امت پر نثار
تن کہے گا سر سے ہو ہو الوداع

غرض ہر ایک کو اپنے گلے لگایا ، صبر و شکیبائی کے واسطے ارشاد کیا ۔

ہے ہے ! اس وقت ان بی بیوں ، حجلۂ عصمت و عفت کی پردہ نشینوں ، حجرۂ طہارت و کرامت کی بیٹھنے والیوں نے خیمۂ مطہر سے نکل کر اپنے تئیں ذوالجناح کے سموں پر گرا دیا اور بہ آہ و زاری التماس کیا کہ اے نور دیدۂ

محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! تم ان ظالموں خدا نا ترسوں کے سامنے جاتے ہو ، ہم بے کسوں ، ستم رسیدوں کو کسے سونپتے ہو ۔ یہ بدکردار ہمیں ستاویں گے ، بعد تمھارے دیس بدیس پھراویں گے ۔ اور بی بی شہر بانو نے دامن مبارک پکڑ کر یہ نوحۂ جاں کاہ زبان حال سے فرمایا :

نوحہ

بانو نے کہا رو رو کے با نالہ و افغاں ، اے سبط پیمبر !
تنہا نہ مجھے چھوڑ کے جاؤ سوے میداں ، اے سبط پیمبر !

ڈھارس تھی فقط مجھ کو یہاں تیرے ھی دم سے اور عزت و حرمت
ہو جاوے گا مرنے سے ترے گھر مرا ویراں ، اے سبط پیمبر !

نے سامنے اکبر ھے نہ ھے گود میں اصغر ، بیمار ھے عابد
مر جاؤں گی مرنے سے ترے میں دل بریاں اے سبط پیمبر !

ھیں سب یہ نبی زادیاں اور عترت حیدر ، کچھ ان کو نہیں ڈر
ھے آن پہ سدا فاطمہ کا سایۂ داماں ، اے سبط پیمبر !

ان بی بیوں میں ایک فقط میں ھوں بگانی ، زھرا کی کنیز ک
کسرائی سمجھ کر مجھے لوٹے گا ھر اک یاں ، اے سبط پیمبر !

گو کوکھ لٹی ھے مری اس دشت بلا میں ، اعدا کے ستم سے
مت مانگ جلا میری نہ جاؤ سوے میداں ، اے سبط پیمبر !

اور ایک طرف کہتی تھی رو رو کے سکینہ دامن سے لپٹ کر
میں جانے نہ دوں گی تجھے میدان کے درمیاں ، اے سبط پیمبر !

جو گھر سے گیا رن میں وہ پھر جیتا نہ آیا ، نے شکل دکھائی
مت جا تو وھاں تجھ پہ سے ھو جاؤں میں قرباں ، اے سبط پیمبر !

اور ایک طرف زینب و کلثوم اڑا خاک، کہتی تھیں یہ رو کر
کیوں ہم کو کیے جاتے ہو تم بے سر و ساماں، اے سبط پیمبر!

وارث نہ رہا ہائے کوئی آل عبا کا، پردیس میں سر پر
تھا آسرا تیرا سو ہے تو عازم میداں، اے سبط پیمبر!

اب اس گل بستان رسالت سے تو کر عرض، اے حیدری رو رو
دلوائیو محشر میں مجھے روضۂ رضواں، اے سبط پیمبر!

یہ بات سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے رو دیا اور فرمایا کہ اے غریبو، بے کسو و اے مظلومو، ستم رسیدو! خیمۂ عصمت میں جاؤ، اس قدر اپنے تئیں ہلاک نہ کرو۔ میں تم کو اس حافظ حقیقی کو سونپے جاتا ہوں، وہ پاک پروردگار ہر حال تمہارا حافظ و مددگار رہے گا۔

یہ بات کہہ کر میدان کار زار میں تشریف لے گئے؛ زمین پر نیزہ ٹیک کر ان کافروں بد نہادوں کے سامنے اپنی بڑائی اور اہل بیت رسالت کی بزرگی میں قریب بیس بیتوں کے زبان معجز بیان سے ارشاد کیں۔ ان میں سے یہ بارہ بیتیں ترجمہ کی گئیں:

نظم

ہے مرا نانا محمد سرور پیغمبراں
آفتاب اوج رفعت ماہتاب عز و شاں

اصفیا کی بزم کا ہے جد مرا شمع و چراغ
میں حسین اس کا نواسا ہوں سنو اے بدگماں!

کیا کروں اپنے پدر کی اس گھڑی حمد و ثنا
گوہر درج ولایت ہے وہ شاہ دو جہاں

"لا فتا الاّ علی" نازل ہے اس کی شان میں
"ھل اتیٰ" کا تاج اس کے سر پہ ہے جلوہ کناں

ماں مری خیرالنسا ہے مصطفیٰ کی نورعین
"بضعۃ منی" اسی کی شان میں نازل ہے ہاں

ہے مرا بھائی حسن دونوں جہاں کا بادشاہ
قرۃ العین نبی اور مرتضیٰ کا جسم و جاں

جعفر طیّار ہے میرا چچا اے اشقیا !
باغ میں جنت کے وہ کرتا ہے نت پروازیاں

سید اطہر چچا ہے باپ کا حمزہ مرے
مجھ سوا رتبہ ہے ایسا اور کس کا درجہاں

اے ستم گارو! ڈرو تم ایسے بد افعال سے
چھوڑ دو جور و جفا، ظلم و ستم یہ خواریاں

مار ڈالے تم نے میرے بھائی بیٹے اقربا
ہے کسی آئین میں ظلم و ستم اے بدگماں !

میری خاطر تم جفا کی تیغ کھینچے ہو کھڑے
چھوڑ دو مجھ کو نہ مارو بہر شاہ انس و جاں

چل بسا بھوکا پیاسا سب کا سب لشکر مرا
حشر کے دن تم ہو میں ہوں داد خواہ اے شامیاں

اتنی بات کہہ کر پھر ارشاد کیا کہ اے ظالمو، ناحق شناسو و اے کافر بدنہادو ! اس خدائے جبار سے ڈرو جو رات سے دن کرتا ہے اور دن سے رات ؛ زندے کو مارتا ہے اور مردے کو جلاتا ہے۔ اگر تم اس کی خدائی کے قائل ہو اور میرے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو

تس کا رسول برحق جانتے ہو تو میرے او پر رحم کھاؤ ، ظلم و ستم سے ہاتھ اٹھاؤ ۔ اس قدر بے ادبی و نا انصافی نہ کرو ۔ اس دن سے ڈرو جس روز میرا نانا محمد مصطفیٰ اور بابا علی مرتضیٰ ، اماں فاطمہ زہرا اور بھائی حسن مجتبیٰ علیہم السلام تم پر غضب ہوویں ، حوض کوثر پر کھڑا نہ رہنے دیویں ۔ پس اب کیا چاہتے ہو ؟ ستر اور دو بہتر تن میرے بھائی ، بیٹے ، بھانجے ، بھتیجے ، یار و آشنا ، اصحاب و احباب مارے ، تیغ ستم سے ان کے سر اتارے ، اس وقت میرے قتل کرنے کی فکر کرتے ہو ۔ سچ کہتا ہوں اگر اب بھی مجھے چھوڑ دو تو میں حبش یا ترکستان یا روم یا ہندوستان کی طرف چلا جاؤں ، تم سے مواخذہ نہ کروں ، اور اگر یہ بات نہیں مانتے تو تھوڑا سا پانی دو کہ اپنے ننھے ننھے بال بچوں واماندوں کو پلاؤں ، بی بیوں تشنہ جگروں کے حلق خشک میں چواؤں کہ وہ سب کے سب مارے تشنگی کے الٹے دم بھرتے ہیں ، موئے جاتے ہیں ۔ خدا کی قسم ! یہ بات کرو تو قیامت کے دن تم سے عداوت و خصومت نہ کروں گا ، تمہارا شکوہ زبان پر نہ لاؤں گا ، اور اگر نہ مانو تو لاچار ہوں ، اس کے سوا اور کیا کہوں ۔

ہے ہے ! یہ بات ان کافروں نے سنی تو بھی پتھر کو جونک نہ لگی ، بلکہ ہر ایک نے تلوار گھسیٹ گھسیٹ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کیا ۔ ان میں سے یزید البطحی سلاح آہنی سے آراستہ ہوا ، اوچھی بن کر اپنی بد نہادی و بد ذاتی سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے رو بہ رو آیا ۔

روم و شام کے لشکر نے جناب امام حسین علیہ السلام کے سامنے اس کو دیکھ کر ایک شور عظیم برپا کیا ، اور بی بیوں ، پردۂ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیوں کا تو جی ہی نکل گیا ، اور بی بی زینب خاتون مدینۂ منورہ کی طرف دیکھتی تھیں اور کہتی تھیں کہ نانا جان ! میرے حسین کا پاؤں میدان جاں ستاں سے نہ ڈگے ، کھیت اس کے ہاتھ رہے ۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام اس کے سامنے آئے ، لڑنے میں مشغول ہوئے ۔

بات کرتے ایک ہاتھ بڑھ کر اس کافر اجل گرفتہ کو اس سرور سینۂ محمد مصطفیٰ و نور دیدۂ علی مرتضیٰ نے ایسا مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا ، جہنم واصل ہوا ۔

بعد اس کے حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا گھوڑا اٹھایا اور دریاے فرات کی طرف رخ کیا ، اس واسطے کہ نہایت پیاسے تھے ۔

وہیں شمر ذی الجوشن نے اپنی اس سپاہ روسیاہ کو جو اونچی بنی کھڑی تھی ، پکار کر کہا کہ جوان مردو ! کوشش کرو ، کہیں ایسا نہ ہو کہ جناب امام حسین علیہ السلام اپنے تئیں دریاے فرات پر پہنچاویں ۔ سچ جانو اگر ایک قطرۂ آب اس جگر بند ساقیٔ کوثر کے ہاتھ لگا تو پھر ہم میں سے کسی کو جیتا نہ چھوڑے گا ، اپنی تیغ آتش بار کے شعلۂ جاں ستاں سے ہر ایک کی ہستی کا خرمن جلا کر خاک سیاہ کر ڈالے گا ۔

اس بات کے سنتے ہی وہ سب قریب ہزار جوان نامرد

کے اس ایک جوان یکتائے جہان پر ٹوٹ پڑے؛ نیزہ، برچھا، بھالا، تیر و تبر مارنے لگے۔

اس وقت کسی شخص خدا پرست نے اس شہ سوار عرصۂ امامت و کرامت اور اس جوان مرد میدان شجاعت و جلالت کی تیغ دو دم و اسپ فولاد سم کی تعریف میں یہ دو چار بیتیں اس طور سے صفحۂ روزگار پر قلم مشک بار سے رقم کیں:

نظم

تیغ جوہر دار کا میں کیا کروں اس کی بیان
آگ تھی لگنے میں اور چلنے میں جوں آب رواں

کار آتش گہ کرتی، گاہ کرتی کار آب
آب و آتش ہی سے تھی اس میں سراسر آب و تاب

نعل وہ خارا شکن رکھتا تھا اس کا راہ وار
خون سے روئیں تنوں کے دشت کرتا لالہ زار

تیز رو، سچا عناں کا، آہنی سم، خوش خرام
تنگ تھوتھن، گول گردن، مو میان و سبز فام

شیر صولت، پیل پیکر، کوہ کن، روشن جبیں
رعد ہیبت، برق سرعت، باد جنبش، تیز بیں

ہے یہ مرکب، ہے یہ راکب، ہے یہ تیغ اور ہے یہ شاہ
آفریں صد آفریں! اے مرد میداں واہ واہ!

حضرت شبیر کی تعریف کس سے ہو بیاں
حیدری خامہ اٹھا کاغذ سے کٹتی ہے زباں

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے دریائے فرات تک پہنچتے پہنچتے چار سو سوار بد کیش و بداندیش اپنی شمشیر آب دار سے مارے، جہنم واصل کیے؛ چاہتے تھے کہ گھوڑے سے اتریں، تھوڑا سا پانی پیویں، ہے ہے! اتنے میں ہیض ابن تمیز نے ایک تیر ایسا مارا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حلق مبارک میں آ لگا، گدی سے گزر گیا؛ دھن شریف سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ آہ! ایک قطرہ پانی کا اس حلق تشنہ کو نہ ملا۔

ہے ہے! بات کرتے ان کافروں نے چاروں طرف سے آ کر اس شہ سوار میدان شجاعت و جلادت اور اس سپہر سپہر امامت و کرامت کو گھیر لیا؛ یہاں تک تیر باراں کیا کہ جسم نازنیں اس راحت افزائے دل غم گین حضرت محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ کا خانۂ زنبور کی طرح چھلنی ہو گیا؛ دم بہ دم غش آنے لگا؛ ذوالجناح کی باگ لی، عنان حرب ہاتھ سے چھوڑ دی؛ جہاں کھڑے تھے، وہیں گھوڑے سے اتر کر بیٹھ گئے۔

اتنے میں دس جوان بے حیا و پُر دغا عمر سعد کے لشکر بد نہاد سے نکلے، پیادہ پا ہو کر مستعد و مسلح ہوئے، تلواریں کھینچ کھینچ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے کی خاطر آگے بڑھے؛ لیکن جو کوئی ان میں سے آگے آتا تھا حضرت امام حسین علیہ السلام اس کو چشم حسرت سے دیکھتے تھے، وہ شرمندہ ہو کر پھر جاتا تھا۔ مگر ان میں سے وہ دو کافر بد انجام ولدالحرام ایک

سنان ابن انس بدنہاد اور دوسرا شمر ذی الجوشن بے بنیاد قریب آئے ۔

اتنے میں شمر ذی الجوشن نے پیش دستی کر کے قدم آگے رکھا ، حضرت امام حسین علیہ السلام کے سینۂ بے کینہ پر چڑھ بیٹھا ۔ وہ نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و سرور سینۂ علی مرتضیٰ آنکھوں میں آنسو بھر لایا ؛ اس ملعون سے پوچھا کہ تو کون ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شخص شمر ذی الجوشن ہے ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ''نام تیرا معلوم ہوا ؛ اپنے منہ سے پردۂ شقاوت اٹھا کہ اپنے قاتل کو پہچانوں ۔'' اس ملعون نے اپنے منہ سے برقع اٹھا لیا ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ دو دانت خوک کی طرح باہر نکل رہے ہیں ؛ ارشاد کیا ''زرہ اتار سینہ دکھلا ۔'' اس کافر نے زرہ اتاری ؛ جناب امام حسین علیہ السلام نے اس کی چھاتی دیکھی کہ چکتا سفید کوڑھ کا چمک رہا ہے ؛ مدینۂ منورہ کی طرف منہ کر کے فرمایا ''صدقت یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و علیٰ آلک و سلم ! جو کچھ آپ نے عـالم خواب میں کل فرمایا تھا کـه کل ظہر کے وقت تو ہمارے پاس آوے گا اور اپنے قاتل کو ان نشانوں سے پاوے گا ، آج میں نے عالم بیداری میں دیکھا ، معلوم کیا ۔''

بعد اس کے شمر ذی الجوشن کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ اے کافر ! کچھ جانتا ہے کہ آج کون دن ہے ؟

اس ملعون نے کہا ''روز جمعہ و روز عاشورہ۔''

یہ بات سن کر امام حسین علیہ السلام نے ارشاد کیا ''سچ کہا تو نے'' پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ اے کافر! تو جانتا ہے کہ اس وقت میرے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی امت کے خطیب منبروں پر بیٹھے خطبہ پڑھتے ہوں گے، حمد الٰہی و نعت حضرت رسالت پناہی از بس کہ فصاحت و بلاغت سے ادا کرتے ہوں گے، اور تو میری چھاتی پر چڑھا بیٹھا ہے، میرے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہا ہے، گوشوارۂ عرش خاک میں ملایا چاہتا ہے۔ اے شمر ذی الجوشن! خدا سے ڈر، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے شرم کر۔ دیکھ اس شافع دو جہاں اور اس حامیٔ کون و مکاں نے میرے اس سینۂ بے کینہ پر اپنا سر مبارک رکھا ہے، میرے حلق نازنیں پر بوسہ دیا ہے، اور تو اس حلق تشنہ کو اپنے خنجر آب دار سے کاٹا چاہتا ہے۔ سچ جان کہ وہ خدائے کریم حاضر و ناظر ہے، یہ حال زار میرا دیکھتا ہے؛ ہر ایک انبیا میرے سرھانے کھڑا ہے، خصوصاً حضرت ذکریا پیغمبر کی روح میری داھنی طرف کھڑی ہے، میں صریح دیکھتا ہوں؛ یحییٰ معصوم کی روح بائیں طرف کھڑی رو رھی ہے، میں خود مشاھدہ کرتا ہوں۔ اے شمر ذی الجوشن و اے ملعون پر فن! اس قدر بے ادبی و بے مروتی نہ کر؛ ایک لمحہ اس کار بد سے در گزر؛ میرے سینے سے اتر کہ یہ وقت نماز کا ہے؛ میں قبلہ رو ہو بیٹھوں، دوگانۂ حق ادا کروں؛ بعد اس سجدۂ معبود کے جو چاھنا سو کرنا۔

یہ بات سن کر شمر ذی الجوشن جناب امام حسین علیہ السلام کے سینے سے اتر پڑا ؛ اس شہزادۂ دو جہان اور اس سرور کون و مکان نے قبلہ رو ہو کر سجدۂ الٰہی میں سر جھکایا ۔ شے ہے ! اس کافر بد نہاد ۔ پھر اتنی فرصت نہ دی کہ وہ فرزند محمد مصطفیٰ و جگر بند فاطمہ و مرتضیٰ دوسرا سجدہ کرے ؛ خنجر برّاں سے اس کا گلا کاٹا ، جسم پاک سے سر مبارک جدا کیا ، شربت شہادت پلایا روح مقدس نے روضۂ رضوان کی طرف پرواز کیا ۔

نظم

آج ہے دسویں محرم کی کہوں کیا ماجرا
سید اطہر کا سر دشت بلا میں کٹ گیا

ہوگیا خورشید تاباں آج گردوں پر سیاہ
دیکھ کر شبیر کا نوک سناں پر سر چڑھا

چرخ لے کر منہ پہ اپنے چادر ابر سیاہ
تشنگی شبیر کی کر یاد ، خوں رونے لگا

بہہ گئے پانی ہو پربت شعلۂ شبیر سے
رہ گئے اس غم میں دریا اپنی آنکھیں ڈبڈبا

نے رکھے گلشن میں گل نے بن میں رکھے خار و خس
خشک و تر اس آتش غم نے دیے دونوں جلا

شہ سوار لا فتا ہو جس کا دادا کیا کہوں
ہے غضب پوتا ہو اس کا سر برہنہ پیادہ پا

آیت تطہیر جس کی شان میں نازل ہو آہ !
اس کا کنبہ اونٹ پر بلوے میں ہووے سر کھلا

اہل بیت مصطفیٰ بیٹھے ہوں جس خیمے میں آہ!
ہے غضب کربل میں آس کو اشقیا دیویں جلا

کیا لکھوں آل عبا کا حال زار اے حیدری!
ہوگیا ٹکڑے جگر منہ کو کلیجا آ رہا

انا للہ و انا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مجلس حضرت امام حسین علیہ‌السلام کے پھولوں کی ہے

نظم

اب چشم اشک بار بہا بحر خون ناب
پیاسا گیا جہاں سے جگر بند بوتراب

سن کر حسین بے کس و بے بس کی تشنگی
زہرا سی دل جلی کا جگر ہو گیا کباب

اے مومنو ، دین دارو و اے یارو ، آل عبا کی بزم کے سنوارنے ہارو ! معلوم کرو کہ اس روزگار ناہنجار نے اپنے دیدۂ دور بیں سے ایسا ظلم و ستم جو حضرت امام حسین علیہ‌السلام کے شہید ہونے کے بعد اہل بیت رسالت پر پڑا ، کبھی نہ دیکھا ہوگا ۔ سچ جانو کہ اس دور دوار نے ایسا حادثۂ جاں کاہ جو کربلائے معلیٰ میں آل عبا پر واقع ہوا ، گاہے مشاہدہ نہ کیا ہوگا ۔ آج اس کی محفل سیوم میں بیٹھو ، کچھ احوال اہل بیت رسالت کا سنو ، رو رو کر اپنے تئیں

هلاک کرو۔

نظم

اس گل باغ رسول کبریا کے پھول ہیں
اس در بحر شہ ہر دو سرا کے پھول ہیں

باغ احمد لٹتے ہی سر جس کا ہے کٹ گیا!
اس شہ تشنہ جگر گل گوں قبا کے پھول ہیں

غرقۂ خوں گل ہوا اس غم میں لالہ داغ دار
اس گل فردوس شاہ کربلا کے پھول ہیں

کور ہیں نرگس کی آنکھیں، ہے بنفشہ نیل گوں
اس شہ سرو رواں نور خدا کے پھول ہیں

گلشن جنت ہوا جس کے قدم سے نونہال
اس گل باغ شہ مشکل کشا کے پھول ہیں

کون وہ شبیر بے کس جان جسم مصطفیٰ
راحت افزائے دل خیرالنسا کے پھول ہیں

حیدری کیوں کر نہ اس غم میں بہاوے سیل اشک
نونہال فاطمہ و مرتضیٰ کے پھول ہیں

کتاب ''عیوان الرضا'' میں یوں لکھا ہے کہ اے اہل بیت رسالت کے ہوا خواہو و اے آل عبا کے ماتم دارو! ماہ محرم میں گریہ و زاری کرو، خوشی و خرمی کو دل میں راہ نہ دو؛ حق تعالیٰ اس رونے اور غم کرنے کا اجر عظیم دے گا، بہشت بریں سا مکان عطا فرماوے گا۔

کہتے ہیں کہ عمر ابن لیث خراسان کے بادشاہ کا

ہمیشہ یہ معمول و دستور تھا کہ جب کوئی امیر سو سوار مکمل و مسلح اپنے ساتھ لاکر موجودات دیتا ، ایک گرز طلائی سے سرفراز ہوتا ۔ ایک دن اُس کے لشکر کی نظر ثانی ہوئی ، ایک سو چوبیس سردار صاحب گرز شمار کیے گئے ۔

عمر لیث اس فوج کو دیکھ کر یہاں تلک رویا کہ غش کھا گیا ؛ جب ہوش میں آیا ایک وزیر نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا کہ اے بادشاہ ! تجھے کیا ہو گیا ، ایسا کیا حادثہ تجھ پر پڑا ؟ اس نے کہا کہ اے وزیر نیک تدبیر ! یہ فوج دریا موج دیکھ کر میں نے جناب امام حسین علیہ السلام کو یاد کیا اور جی میں یہ گزرا کہ اگر اس لشکر فتح پیکر سے جناب سیدالشہدا کے ساتھ کربلاے معلی میں ہوتا میں تو اُن کافروں ، بد نہادوں کو مارتا ، اپنے آقا کے ساتھ فتح و نصرت سے پھرتا ۔

حاصل کلام وہ نیک انجام بعد تھوڑے دنوں کے مر گیا ۔ شب کے وقت کسی شخص نے اسے خواب میں دیکھا کہ ایک تاج مرصع سر پر دھرے ، خلعت شاہانہ پہنے ، کارچوبی پٹکا کمر سے باندھے ہوئے ، حور و غلمان اپنے ساتھ لیے ہوئے ، ایک اسپ خوش خرام پر سوار ہے اور بہشت بریں کی سیر کرتا پھرتا ہے ۔ پوچھا اس نے کہ اے بادشاہ ! بعد مرنے کے یہ مرتبہ کہاں سے حاصل کیا ؟ اس نے کہا کہ اے شخص ! پہلے میں غضب الٰہی میں گرفتار ہوا تھا ، بعد اس کے حضرت امام حسین علیہ السلام کا غم و الم یاد کرنے اور اس کے حال زار پر رونے کے صدقے سے بخشا گیا ۔ یقین ہے کہ جو کوئی اس کے ماتم میں شریک ہوگا اور اس کا رنج و الم

یاد کر کے رووے گا ، یہ گریہ و زاری حشر کے دن اس کے کام آوے گی ، موجب نجات کا هووے گی -

کتاب نورالایمہ میں یوں لکھا ھے کہ اے ھوا داران اھل بیت رسالت و اے محبان دودمان امامت و کرامت ! گریہ و زاری کرو ، آہ و فغاں سے باز نہ رھو ، کیوں کہ امام حسین علیہ السلام کی روح مقدس ھودج اقدس سے دیکھتی ھے - سچ جانو جس روز کہ جناب امام حسین علیہ السلام میدان حشر میں خلق اللہ کی شفاعت کے واسطے آویں گے ، پہلے اپنے ماتم داروں ، ھوا خواھوں کو بخشواویں گے -

کتاب زمخشری سے ''کتاب ربیع الابرار'' میں ھند ام معبد کے بھانجے کی زبانی یوں لکھا ھے کہ ایک دن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میرے خیمے میں آرام کرتے تھے - جب بیدار ھوئے ، وضو کے واسطے پانی مانگنے لگے - میں لے گیا ؛ حضرت علیہ السلام نے وضو کیا اور کلی ان کانٹوں پر جو سرائچے کے نیچے لگے تھے ، پھینک دی - صبح ھی میں کیا دیکھتا ھوں کہ اس جگہ ایک درخت میوہ دار ھرا بھرا جھوم رھا ھے : مصرع

مشک کی سی بو تھی اس میں شہد کا سا تھا مزا

سچ ھے جو کوئی اس کا پھل کھاتا ، سیر ھوتا اور جو کوئی پتے چباتا ، سیراب ھو جاتا - میں نے اس درخت کا نام ''شجر المبارک'' رکھا تھا - اکثر ادھر آدھر کے لوگ کوڑھی ، کلنکی ، اپاھج ، لولھے ، لنگڑے ، اندھے ، کانے ،

گونگے ، بہرے آتے ، اس کے پھل کھاتے ، ہاتھ پاؤں ، ناک کان ، زبان سے درست ہو کر چلے جاتے ۔

ایک دن صبح کے وقت میں کیا دیکھتا ہوں کہ تمام پھل اس درخت کے جھڑ پڑے ہیں ، پتے چھوٹے ہوگئے ہیں ۔ میں رونے لگا ؛ اتنے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتقال کی خبر وحشت اثر سنی ۔ اس حادثے پر بھی کچھ کچھ پھل اس میں تھے اور چھوٹے چھوٹے پتے ۔ لیکن جب اس بات کو تیس برس گزرے ، ایک دن پو پھٹتے ہی دیکھا میں نے کہ وہ درخت جڑ سے لے کر پھننگ تک برگ و بار کی جگہ کانٹوں سے بھرا ہے ، ہر ایک پھول پھل گر پڑا ہے ۔ میں متوحش ہوا ، کہ جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے شہید ہونے کی خبر ہوش ربا سنی ، چھاتی پھٹ گئی ۔ بعد اس کے پھر اس روکھ میں پھل نہ لگے ، لیکن کچھ پتے سبز تھے ۔ ان سے بھی لوگ بہرہ مند ہوا کیے ، کچھ کچھ مجھے بھی دیا کیے ۔

ایک دن نور کے تڑکے دیکھا میں نے کہ اس درخت کے مانجھے سے خون ناب جاری ہے ؛ میں گھبرایا ، بے اختیار رونے لگا ۔ جب پہر سوا پہر رات گئی ، ہر ایک سمت سے سنا میں نے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی مع خویش و اقربا بھوکا پیاسا دشت کربلا میں شہید کیا ۔

اس بات کے سنتے ہی جگر پھٹ گیا ، کلیجا منہ کو آ رہا ۔ کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا ، دشت کربلا سے ایک ایسا غبار اٹھا کہ سارا جہان تیرہ و تار ہو گیا ۔ خورشید خاوری کا نور جاتا رہا ،

چرخ اخضر نیل گوں ہو گیا ، موج دریا آسمان تک پہنچی ، ہر ایک مچھلی پانی سے نکل کر جلتی ہوئی ریت میں تڑپنے لگی ، چرندوں نے دشت و بیابان چھوڑ دیا ، پرندوں نے اپنا سر پہاڑوں سے پھوڑا ۔

اتنے میں ایک کبوتر ہوائے آسمان سے ملا ہوا نمودار ہوا ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون پاک سے اپنے پر و بال بھر کر مدینۂ منورہ کی طرف اڑ گیا ۔ جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضۂ مقدس کے گرد چکر کھانے لگا ۔ جا بہ جا اس کے پیروں سے لہو ٹپکتا تھا ، مدینۂ منورہ کے رہنے والوں کا جگر اس بات سے پھٹا جاتا تھا ۔ بعد تھوڑے دنوں کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کی خبر سنی ، تب ہر ایک چھوٹے بڑے نے یہ حقیقت دریافت کی کہ وہی کبوتر جناب امام حسین علیہ السلام کی سنانی لایا تھا ، دشت کربلا سے قاصد بن کر آیا تھا ۔

فرد

گر کبوتر کو میں اپنا نامۂ پُر سوز دوں
ہے یقیں جل جائیں اُس کے بال و پر اس سوز سے

غرض بیان غم اہل بیت سہل نہیں
یہ وہ الم ہے کہ پایاں نہیں ہے جس کے تئیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مجلس حضرت امام حسین علیہ السلام
کے دسویں کی ہے

قطعہ

صدف چشم سے کیوں کر نہ بہے گوہر ناب
اٹھ گیا جگ سے پیاسا وہ شہ ہر دو سرا

جس کا نانا ہو نبی ، ساقیٔ کوثر ہو پدر
اس کو جز آب خنجر پانی کا قطرہ نہ ملا

اے مومنو اشک بارو و اے یارو دین دارو ! آج امام حسین علیہ السلام کا دسواں ہے ؛ اس کی محفل عزا میں بیٹھو ، کچھ احوال سنو ، صدف چشم سے گوہر اشک بہاؤ ۔

نظم

گوہر اشک کا نہیں ہے بہا
اشک موجب ہے اپنی حرمت کا

گریہ کر جس سے تو ثمر پاوے
اشک جاری کرے گہر پاوے

گر چمن میں نہ ابر گریاں ہو
غنچۂ گل کبھی نہ خنداں ہو

ابر نیساں ہوا جو گریہ کناں
تب صدف کو ملا در غلطاں

طلب خرّمی ہے گر تجھ کو
توشہ کربلا کے غم میں رو

دوستی اس کی کام آوے گی
حشر کے دن تجھے بچاوے گی

حیدری ہے یہ اشک بہر نجات
بہر شبیر دل سے رو دن رات

یہ روایت حضرت امام جعفر علیہ السلام سے منقول ہے کہ تمام جہان کے رونے والوں سے پانچ صاحب بکا شمار کیے جاتے ہیں : ایک حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام کہ وہ بہشت بریں میں اس قدر روئے کہ دو چشمے آن کی چشم اشک بار سے روح مبارک پر جاری ہوئے ؛ دوسرے حضرت یعقوب نے جناب یوسف علیہ السلام کی دوری میں یہ گریہ و زاری کی کہ آنکھیں پتھرا گئیں ؛ تیسرے حضرت یوسف قید خانے میں اتنا روے کہ زندانیوں ، بندی وانوں کے جگر پھٹ گئے ، کلیجے منہ کو آ رہے ۔ اور اہل بیت رسالت سے دو شخص : ایک حضرت خاتون قیامت علیہا السلام کہ حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فراق میں یہ روئیں کہ غش کھا کھا گئیں ۔ محلے والوں نے عرض کی کہ یا فاطمہ زہرا ہم اذیت پاتے ہیں ، آپ کا رونا سن نہیں سکتے ۔ یہ بات سن کر جناب

فاطمہ چپ ہو رہیں ، اور اگر کبھی روتیں تو گنج شہدا میں جاتیں ، وہاں بیٹھ کر روتیں ۔ دوسرے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جناب امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کے بعد چالیس برس یہاں تلک روے کہ رخسارے بہہ گئے۔ ایک دن مفلح ۔ جو اس امام کا غلام تھا ، التماس کیا کہ اتنا نہ روؤ ؛ ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں ہلاک نہ ہو جاؤ ۔ یہ بات سن کر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے رو دیا اور زبان مبارک سے فرمایا کہ اے مفلح ! میں کیوں کر نہ روؤں ؟ سچ جان ، جس وقت صحرائے کربلا کا دھیان کرتا ہوں ، آپ میں نہیں رہتا ، کیوں کہ میں نے اس صحرائے جاں ستاں میں اپنی آنکھوں اپنے پدر بزرگ وار اور بھائیوں ، چچاؤں ، آشناؤں کو تڑپتے دیکھا ، جام شہادت سے سیراب مشاہدہ کیا :

قطعہ

مرے سوز دل کے موافق اگر
یہ روتے مرے دیدۂ اشک بار

تو لے مرغ سے تا بہ ماہی نہ پوچھ
یہ روتے کہ بھر دیتے ۔ ڈبرے ہزار

مرے اس دل ریش کے واسطے
ہزاروں ہی درکار آنکھیں ہیں یار

کہ آپس میں وہ ہو کے بایک دگر
ہر اک ایک پر ہوتی زار و نزار

مرے دیدۂ بخت ہوتے جو وا
تو روتے مرے غم میں لیل و نہار

جو بھولا ہوں میں بھولتا گر اسے
سلیمان سا عالی و نام دار

تو روتا وہ ایسا کہ جس کے لیے
فغاں کرتے جن و بشر ڈاڑھ مار

یہ ماتم وہ ہے کیا کہوں حیدری
نبی و علی جس میں ہیں اشک بار

''کنزالغرائب'' میں ابوالفاس سہیل ساعدی رضی اللہ عنہ کی زبانی یوں لکھا ہے کہ میں ایک دن شہر شام میں تھوڑا بہت مال تجارت لے کر گیا تھا۔ پھرتے ہوئے دمشق کے ایک قصبے میں جا نکلا ؛ دیکھا میں نے کہ تمام مرد و زن اس بستی کے شادی کناں پھرتے ہیں۔ یہ احوال دیکھ کر جی میں کہا میں نے کہ شاید اس بستی میں آج کوئی تیوہار ہے ، سوائے عید و بقر عید کے۔ آخر ایک شخص سے پوچھا میں نے۔ اس نے کہا کہ اے شیخ ! مگر تو اعرابی ہے ، اس شہر میں تازہ وارد جو پوچھتا ہے ؟ کہا میں نے ''سچ فرمایا تو نے ؛ میں سہیل ساعدی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحابوں سے ہوں۔'' جوں یہ بات سنی اس جوان نے ، ایک آہ سرد بھری اور رو رو کر یہ قطعہ پڑھا :

قطعہ

آسماں نے اس الم میں سر سے ٹوپی پھینک دی
ترک گردوں نے اتارا سر سے تاج زر نگار

مو پریشاں ہو کے زہرا نے بسان چنگ ہائے
ناخن مضراب سے رخ کو کیا بس لالہ زار

یہ کلام درد آمیز سن کر میں نے رو دیا اور پوچھا کہ بھائی یہ عقدۂ مالا ینحل مجھ پر نہ کھلا ، خدا کے واسطے صاف صاف فرما ۔ اس نے سر سے پگڑی پھینک دی اور یہ بات کہی کہ آج حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک سنان جاں ستاں پر چڑھا کر اہل عراق نے یزید پلید کے پاس بھیجا ہے ، یہ شادی و خرمی اس واسطے ہے ۔ جوں اس نے یہ بات کہی ، میں آپ میں نہ رہا ، رو رو کر پوچھنے لگا کہ بھائی وہ سر کس دروازے سے لاویں گے ؟ کہا اس نے ''باب اساعات سے ۔'' میں قدم بڑھا کر آدھر گیا ، بہ ہزار خرابی اہل بیت رسالت کے اونٹوں تک پہنچا ۔ دیکھا میں نے کہ ایک سر حضرت محمد مصطفیٰ کے چہرے کی طرح جلوہ گر نیزے پر چڑھا ہے اور تمام کنبہ اس کا اونٹوں پر سر ننگے بیٹھا ہے ۔ میں تاب نہ لا سکا ، ڈھاڑیں مار کر رونے لگا ۔ یہ حالت دیکھ کر ایک لڑکی نے جو ہودج میں سر برہنہ بیٹھی ہوئی روتی تھی ، کہا ''اے شخص ! تو کون ہے جو ہم غریبوں بےکسوں کے حال زار پر روتا ہے ؟'' میں نے عرض کی ''بی بی ! میں اہل بیت رسالت کے غلاموں سے ایک ادنیٰ سا غلام ہوں ۔ تم کون ہو جو اس قدر گریہ و زاری کرتی ہو ؟'' اس نے کہا کہ میں سکینہ ، حضرت امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی بیٹی ہوں ۔ آہ کیا کہوں ، میں گھبرا گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ اے جان حسین و اے روح روان حسین ! میں سہیل ساعدی تیرے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحابوں سے ہوں ؛ اگر کچھ حاجت رکھتی ہے تو مجھے فرما ، میں بجا لاؤں ، تا مقدور قصور نہ کروں ؟ اس یتیم بے کس نے کہا کہ اے سہیل ساعدی !

اس ظالم سے جو میرے باپ کا سر خوں چکاں لیے جاتا ہے ، کہہ کہ ہمارے اونٹوں سے قدرے آگے جاوے کہ یہ سب تماشائی اس کے دیکھنے میں مشغول ہوں ، ہمیں سر برہنہ اونٹوں پر نہ دیکھیں ۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا ، کچھ تھوڑا بہت دے کر راضی کیا ۔ وہ کافر حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک لیے ہوئے اور سب سروں سمیت اونٹوں سے آگے بڑھا ۔ پھر میں نے چاہا کہ اپنے تئیں ان قیدیوں تک پہنچاؤں ، نہ ہوسکا ، کیوں کہ ایک آن میں اس قدر کثرت ہوئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملی ۔

راوی یوں کہتا ہے کہ وہ کافر خدا نا ترس ان سروں اور ان بندی وانوں کو صبح سے لے کر چلے تھے ۔ لوگوں کی کثرت ، مرد و زن کی بہتات سے ظہر کے وقت یزید پلید کے دیوان عام تک پہنچے ۔ وہیں اس ولد الحرام کے کہنے سے ایک مکان عالی شان کارچوبی پردوں ، مخمل کی مسند اور جڑاؤ چوکیوں سے آراستہ کیا گیا ۔ وہ کافر اس مسند زریں پر جا بیٹھا ، امیر و امرا آ کر گرد و پیش کھڑے ہوگئے ۔

اتنے میں شمر ذی الجوشن کتنے حرام زادوں سمیت اہتمام کرتا ہوا ان سروں کو نیزوں پر چڑھائے اور اہل بیت رسالت کو اونٹوں پر بٹھائے ہوئے اس کافر کے رو بہ رو آیا ۔ اس ملعون نے ان قیدیوں بندی وانوں کو ایک ٹوٹی سی کوٹھری میں بٹھلایا اور سروں کو اپنے سامنے طلب کیا ؛ ایک ایک کو دیکھا ، فرد فرد کا احوال پوچھا ۔

بعد اس کے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک قریب تر منگوایا ۔ شمر ذی الجوشن نے بشیر ابن مالک سے

کہا کہ سر کو تو یزید کے پاس لے جا اور کہہ کہ اے امیر ! حضرت امام حسین کو تیرے کہنے سے میں نے شہید کیا ، اس سرور دو جہاں کا سر میں نے اپنے خنجر بّراں سے کاٹا ۔ یقین ہے کہ وہ خوش ہووے ، تجھے بہت کچھ انعام دیوے ۔ لیکن غرض اس بات سے اس حرام زادے کی یہ تھی کہ یزید پلید کا احوال دریافت کرے کہ وہ حضرت امام حسین کے قاتل سے کیا سلوک کرتا ہے ۔ اس اجل گرفتہ نے شمرذی الجوشن کے بہ موجب کہنے کے وہ سر اس ملعون کے سامنے دھر دیا اور یہ احوال کہہ سنایا ۔

یزید پلید اس بات سے خفا ہوا اور کہنے لگا کہ اے کافر ! اگر حسین ہر ایک کے حسب نسب سے بہتر تھا تو تو نے کیوں مارا ؟ ایسے عالی قدر کا سر کیوں کاٹا ؟ خدا کی قسم ! اب میں تجھے کچھ نہ دوں گا ، بلکہ جیتا نہ چھوڑوں گا ۔

یہ بات کہہ کر جلادوں کی طرف اشارت کی ، کہ ان کافروں نے اس ملعون کی بھی گردن ماری ۔ وہ کافر بھی انھیں دسوں سے تھا جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔

کتاب ''کنز الغرائب'' میں یوں لکھا ہے کہ دوزخ کے سانپوں سے جو سانپ سب سے بڑا اور زہر ہلال سے بھرا ہے اور ان سبھوں کا بادشاہ ہے ، اُسی کو مار شدید کہتے ہیں ۔ وہ سانپ دن میں ستر ستر بار اپنا پھن کھڑا کرتا ہے اور زہر اُگل اُگل کر کہتا ہے کہ خداوندا ! حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو میرے حوالے کر کہ میں اُن کو

ڈسوں ، اپنا زہر آن کے حلق میں چواؤں ۔ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مار شدید ! قدرے صبر کر ، قریب ہے کہ ان کی سزا تیرے ذمے ہووے ، وہ کافر تیرے حوالے کیے جاویں ، تیرے ہی ہاتھ سے عذاب الیم دیکھیں ۔

اسی کتاب معتبر میں حضرت اسدی رحمت اللہ علیہ کی زبانی یوں لکھا ہے کہ ایک شخص خارجی میرے پاس بیٹھا تھا اور میں حضرت امام حسین کا احوال پر ملال کہہ رہا تھا ، اتنے میں ایک شخص نے بہ آواز بلند کہا کہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے احوال زار سے خوش ہوا ہو اور ایک عذاب عظیم میں گرفتار نہ ہوا ہو ، کہ وہ خارجی کہنے لگا کہ اے اہل عراق! تو جھوٹ کہتا ہے ؛ ایک یہی شخص بیٹھا ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل ہونے سے خوش ہوا تھا ، آج تک کچھ آسیب نہ پہنچا ۔

سبحان اللہ! ہنوز وہ کافر اس مجلس سے باہر نہ گیا تھا کہ خدائے کریم کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے شمع کی لو اس کی ریش دراز میں لگی ، ڈاڑھی اس ملعون کی بھڑک اٹھی ۔ وہ کفر اٹھ کھڑا ہوا اور ایک نہر میں کود پڑا ، تب بھی اس آتش سوزاں سے نہ بچا ، اسی آب و آتش میں ڈوبا ، جلا ۔

غرض بیان غم اہل بیت سہل نہیں
یہ وہ الم ہے کہ پایاں نہیں ہے جس کے تئیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مجلس حضرت امام حسین و جمیع شہدائے کربلا
کے بے کسوں کی ہے

قطعہ

کیوں نہ ہو اس چشم دریا بار سے خوں کی جھڑی
قاسم کوثر کا جب لخت جگر پیاسا مرے
ہے برات مغفرت اس کی بہ دست مرتضیٰ
سید بے کس کی خاطر اشک جو جاری کرے

اے مومنو، دین دارو و اے یارو، آل عبا کے ہوا خواہو!
کچھ احوال حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہل بیت کی
مصیبت کا سنو ، چشمۂ چشم سے سیل اشک بہاؤ :

قطعہ

بہ روز جنگ سن اے ظالم خدا ناترس
وہ ظلم دیکھ کیا تو نے جو برائے حسین
کرے گا حق سے طلب داد جب رسول خدا
تو کیا کہے گا بتا سن کے ماجرائے حسین

گرا جو گھوڑے سے کربل میں وہ شہ دوراں
حرم نے خیمے سے رو رو کہا کہ ھائے حسین!

روا یہ کب ھے کہ ھو خاک و خوں میں آلودہ
رخ مبارک و گیسوے مشک سائے حسین

ھر ایک بی بی نے سر پیٹ پیٹ کر یہ کہا
تم ایسے گئے خیمے سے پھر نہ آئے حسین

فلک روا ھے کہ نیزے پہ سر چڑھے اس کا
اور سر برھنہ ھوں اونٹوں پہ اقربائے حسین

ھے آرزو یہی اس حیدری کو شام و سحر
کہ اس کی آنکھیں ھوں اور ھووے خاک پائے حسین

حکایات درد و غم کے بیان کرنے والوں ، روایات رنج و الم کے لکھنے ھاروں نے اس ماجرائے دل دوز اور اس احوال جگر سوز کو صفحۂ بیان پر قلم دو زبان سے یوں لکھا ھے کہ ایک دن حضرت فاطمہ زھرا علیہا السلام نے اپنے صاحب زادوں کے واسطے دو کرتے سیے اور ان کو پہنا کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت فیض درجت میں بھجوا دیا ۔ جناب رسالت مآب علیہ السلام نے صاحب زادوں کو گود میں بٹھا لیا ، منہ چوما ۔ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے گلے میں گریبان کی تنگی کے سبب ایک خط ھنسلی کی طرح دیکھا ، رو دیا ، وھیں کرتا اتار لیا ؛ کہ حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور کہنے لگے کہ یا رسول خدا ! آپ ایک خط گریبان کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے ۔ ھے ھے ! جس روز یہ حلق خشک ظالموں کے خنجر آب دار سے کٹے گا اور

جسم مبارک اس کا تیر و سناں سے چھلنی ہوگا، سر خوں چکاں نیزے چڑھے گا، اُس وقت آپ کیا کریں گے؟

اس بات کے سنتے ہی حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے غش کھایا؛ جب ہوش میں آئے ارشاد کیا کہ یا اخی جبرئیل! میرے حسین کو کون مارے گا؟ عرض کی انہوں نے "آپ ہی کی اُمت سے ایک گروہ اس امام دو سرا کو تیغ جفا سے شہید کرے گا۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم آپ میں نہ رہے، بے اختیار رونے لگے۔

ابوالمفاخر یوں بیان کرتا ہے کہ جس روز یزید پلید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک اپنی مجلس جہنم اساس میں منگوایا اُس روز ایک یہودی وہاں بیٹھا تھا؛ اس سر خوں چکاں کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ سر کس کا ہے؟ یزید نے کہا "اس شخص کا جو مجھ سے بغی ہوا تھا، امام بنا چاہتا تھا۔ بارے میرے کار پردازوں نے اُسے مارا، اُس کے اقرباؤں، ہوا خواہوں کو قتل کیا، اُس کے اہل بیت کو ان سب سروں سمیت یہاں بھیج دیا۔"

یہ بات سن کر یہودی نے کہا "معلوم ہوا ان کا سردار گروہ اشرف ہی سے تھا جس نے دعویٰ امامت کیا۔"

یزید بولا "نہ وہ شخص بنی ہاشم میں شریف تر تھا، مرتبۂ اعلیٰ رکھتا تھا کہ یہ بات سن کر یہودی نے پھر پوچھا کہ صاحب اس کا نام کیا تھا اور اس کے باپ کا

کیا ؟ یزید نے کہا ''اس کا نام حسین تھا اور اس کے باپ کا نام علی ۔''

یہودی نے سوال کیا کہ اس کی ماں کا نام کیا تھا ؟ بولا 'فاطمہ زہرا' یہودی نے پوچھا کہ اس بی بی کے باپ کا نام کیا تھا ؟ وہ ملعون کہنے لگا ''محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ۔''

اس بات کے سنتے ہی یہودی نے رو دیا اور بہ آواز بلند کہا کہ اے کافر ! وہ پیغمبر خدا تھا اور حسین اس کا نواسا ؛ یہ غضب تو نے کیا کیا کہ ایسے شخص کو مارا ، اس کے کنبے کو اسیر کیا ۔ ٹک ہمیں دیکھ کہ ہم حضرت داؤد کی سترھویں پشت سے ہیں ، آج تلک یہودی ہمیں مانتے ہیں ، اولاد پیغمبر جانتے ہیں ؛ اور یہ قطعہ پڑھا :

حشر کے دن تم سے پوچھے جب رسول کبریا
کیا کہو گے اس گھڑی اے بدنہاد و بے حیا ؟

کیا کیا آل عبا سے اس گھڑی تم نے سلوک
جس گھڑی میں دار فانی سے سوے عقبا گیا

تھی جزا راہ خدا کے کیا دکھانے کی یہی
جو کیے میرے جگر گوشوں کے سر تن سے جدا

یہ بات سن کر یزید شرمندہ ہوا ، تیور بدل کر کہنے لگا کہ اے یہودی ! بس زیادہ نہ بک ؛ خدا کی قسم ! اگر یہ حدیث حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نہ ہوتی تو ابھی تجھے قتل کرتا ، کیوں کہ وہ خود

فرماتا ھے کہ جو کوئی اھل ذمی کو ستاوے گا میں اس کی شفاعت نہ کروں گا ۔

یہودی نے کہا ''لعنت خدا تجھ پر اور تیری اس بھونڈی رائے پر ! اے ظالم ! جس حالت میں کہ اھل ذمی کے واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم یہ بات کہیں ، پس اپنے فرزندوں کے قاتل کی شفاعت کیوں کر کرے گا ؟'' وہ کافر اس بات کی برداشت نہ کر سکا ، جلاد سے کہنے لگا کہ ابھی اس زباں دراز کی گردن مارو ۔ وھیں وہ یہودی اُٹھ کھڑا ھوا اور جناب امام حسین علیہ‌السلام کا سرمبارک کے اٹھا کر کہنے لگا ''یا ابا عبداللہ ! میں تیری غلامی میں در آیا ، اسلام قبول کیا ''اور کلمۂ شہادت اشہد ان لاالہ الااللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ کہہ کر کہنے لگا ''میرے کلمے کا گواہ رھنا ، اپنے نانا جان کے سامنے گواھی دینا کہ اس کفر کے کہنے سے جلاد نے اسے قتل کیا ، جام شہادت پلایا ۔'' ھے ھے ! وھی یہودی بادشاہ روم کی طرف سے وکیل ھو کر آیا تھا ۔

کتاب شواھدالنبوہ میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یوں لکھا ھے کہ ایک دن رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم میرے گھر سے باھر تشریف لے گئے ۔ بعد تھوڑی دیر کے گرد و غبار سے بھرے ھوئے اور تھوڑی سے مٹی ھاتھ میں لیے ھوئے رونق افروز ھوے ۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول خدا ! میں اس وقت کچھ آپ کو متردد و پریشان خاطر دیکھتی ھوں ، اس کا سبب کیا ھے ؟ ارشاد کیا کہ ابھی مجھے عراق کی طرف دشت کربلا میں لے گئے تھے ؛ ھے ھے !

وہ مقام میرے حسین تشنہ جگر کی شہادت گاہ ہے - میں
تھوڑی سی مٹی اس کے خون پاک سے بھری ہوئی لے آیا ہوں ،
تم اسے لو ، بہ احتیاط تمام رکھ چھوڑو - میں نے وہ خاک
خون آلود حضرت علیہ السلام کے دست مبارک سے لے لی ،
ایک شیشی میں نہایت احتیاط سے رکھ چھوڑی ، لیکن ہر روز
صبح کے وقت دیکھتی تھی - جب حضرت امام حسین علیہ السلام
عراق کی طرف گئے اور کربلائے معلی میں جا کر ماہ
محرم الحرام کی دسویں تاریخ شہید ہوئے ، اس روز میں نے
اس شیشی کو خاک خون سے بھرا دیکھا ، معلوم کیا کہ
آج وہ سرور دوسرا و حامیٔ روز جزا شہید ہوا ؛ رونے لگی -
ہر ایک بی بی میرے رونے سے رو اٹھی ، خصوصاً بی بی
فاطمہ کبرا نے یہ رقت کی کہ جس کی بات کچھ کہی نہیں جاتی -

غرض بیان غم اہل بیت سہل نہیں
یہ وہ الم ہے کہ پایاں نہیں ہے جس کے تئیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مجلس حضرت امام حسین علیہ السلام و جمیع شہدائے کربلائے معلیٰ کے چہلم کی ھے

قطعہ

دریائے اشک آنکھو ! رو رو کے تم بہاؤ
چہلم میں شاہ دیں کے خوں کی جھڑی لگاؤ

ھے آبرو اسی سے بنت نبی کے آگے
جز لخت دل نہ ھرگز مژگاں تر پہ لاؤ

اے مومنو ، آل عبا کی بزم تعزیت کے سنوارنے والو و اے اھل بیت رسالت کی محفل عزا کے زیب دینے والو ! اس مجلس چہلم میں بیٹھو ، جناب امام حسین علیہ السلام کے اھل بیت کا کچھ حال زار سنو ، رقت کرو ، پھوٹ پھوٹ کر روؤ :

نظم

تیری فرقت میں زمین و آسماں نے رو دیا
سینہ و دل شق ھوئے روح رواں نے رو دیا

اے حسین ابن علی کر یاد تیری تشنگی
کوہ کی چھاتی پھٹی ، آب رواں نے رو دیا

کن فکاں قالب ہے تو اس میں ہے جوں روح رواں
اس الم میں کیا کہوں میں کن فکاں نے رو دیا

کچھ ہمیں اہل زمیں ماتم نہیں کرتے ترا
سر دھنا رضواں نے اور باغ جناں نے رو دیا

دے بہا اے چشم تر ! ماتم میں اُس کے خون دل
قدسیوں نے جس کے غم میں ہو پریشاں رو دیا

آدم و نوح و خلیل و موسی و عیسیٰ نے آہ !
غم کیا ، جبریل حق کے راز داں نے رو دیا

اہل بیت مصطفیٰ یاں تک ہوئے گریہ کناں
سنگ خارا بہہ چلا ہر انس و جاں نے رو دیا

دیکھ کر رونا سکینہ کا کہوں کیا دوستو !
لڑکیوں نے غم کیا ، پیر و جواں نے رو دیا

حیدری آل عبا کی بے کسی پر کیا کہوں
دشت و صحرا جل بجھے کوہ گراں نے رو دیا

کتاب کنزالغرایب میں یوں لکھا ہے کہ ایک اعرابی حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ یا رسول خدا ! میں صیاد ہوں ، یہ بچہ ہرن کا حضور میں لایا ہوں ۔ قبول ہووے ۔ حضرت علیہ السلام نے وہ بچہ اُس کے ہاتھ سے لے لیا ۔

اتنے میں جناب امام حسن تشریف لائے ۔ وہ بچہ حضرت

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ان کو دیا ، کہ جناب امام حسین علیہ السلام رونق افروز ہوے ؛ جناب امام حسن علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ بھائی صاحب ! یہ بچہ آپ کو کس نے دیا ؟ حضرت امام حسن نے ارشاد کیا کہ میرے نانا جان نے عنایت فرمایا ۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت امام حسین وہاں سے دوڑے اور اپنے نانا جان کے گلے سے لپٹ کر کہنے لگے ''نانا جان مجھے بھی ایک بچہ منگوا دو ۔'' حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم آن کا منہ چومتے تھے اور تامل کرتے تھے کہ مسجد شریف کے دروازے سے ایک شور عظیم بلند ہوا ، وہیں ایک ہرنی کو دیکھا کہ اپنا بچہ دوڑائے چلی آتی ہے ۔ آتے ہی حضرت رسالت پناہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے سامنے کھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ یا رسول خدا ! میں دو بچے رکھتی تھی ، آن میں سے ایک بچہ کسی صیاد نے پکڑ کر حضور میں پہنچایا ، دوسرا میرے پاس تھا کہ عالم غیب سے یہ آواز میرے کان میں پڑی کہ اے ہرنی ! جلد یہ دوسرا بچہ بھی اس جناب والا کی خدمت میں لے جا کیوں کہ اس وقت حضرت امام حسین آن کی گود میں بیٹھے ہوے ہٹ کر رہے ہیں ، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ صاحب زادہ رووے ؛ لازم ہے کہ اس کے رونے سے پہلے یہ بچہ لے جاوے ۔ خدا کی قسم ! اگر خداے کریم کی حکمت بالغہ و قدرت کاملہ سے زمین کی طنابیں نہ کھنچ جاتیں تو میں ہرگز اس قدر راہ دور و دراز طے نہ کرسکتی ۔ الحمدللہ والمنہ کہ ہنوز اس صاحب زادے کی چشم حق بین گوہر اشک سے نہیں بھری ۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے وہ بچہ اُس سے لے لیا ، جناب امام حسین علیہ السلام کے حوالے کیا ۔

ہے ہے ! جس کا رونا مقربین خدا و محمد مصطفیٰ کو گوارا نہ ہووے ، پھر اُس شخص کا سر یہ ظالم ستم گر خنجر براں سے کاٹیں ، کنبہ اُس کا اسیر کریں ۔

حکایات جاں گزا کے بیان کرنے والوں ، روایات ہوش ربا کے لکھنے ہاروں نے اس ماجرائے حیرت آمیز اور اس احوال مصیبت خیز کو صفحۂ روزگار پر قلم اشک بار سے یوں لکھا ہے کہ جس روز اہل بیت رسالت یزید پلید کے روبرو گئے ، اس بدذات سنگ صفات نے ایک ٹوٹا سا گھر اُن کے رہنے کی خاطر خالی کر دیا ۔ وہ بیبیاں پردۂ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیاں اس خانۂ تاریک میں جا بیٹھیں ، منہ ڈھانپ کر رونے لگیں ۔

ہے ہے ! اس حالت بے کسی میں یہ ایک غضب اور ان پر پڑا کہ پہر سوا پہر رات گئے بی بی سکینہ نے اپنے بابا جان کو خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اپنی گود میں مجھے لیے ہوئے بیٹھا ہے اور پیار کر رہا ہے ۔

اس خوشی میں اس یتیم بے کس کی آنکھ کھل گئی ؛ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صورت نہ دیکھی ، رونے لگیں اور پچھاڑیں کھا کھا کر ہلاک ہونے ۔

بی بیوں نے گلے لگا لیا اور رو رو کر پوچھا کہ جانی تجھے کیا ہو گیا ، اس حالت میں کس کا دھیان کیا ؟

بی بی سکینہ نے بہ آہ و زاری کہا ''کیا کہوں ، ابھی میرا
بابا جان مجھے گود میں لیے ہوئے پیار کرتا تھا ، آنکھ
کھلتے ھی رو بہ رو سے جاتا رھا ۔ اب مجھے تاب مفارقت نہیں ،
میرے باپ کو بلوا دو یا مجھے اس کے پاس بھجوا دو ۔''
یہ بات سن کر بی بیاں رونے لگیں اور پچھاڑیں کھا کھا کر
ھلاک ہونے ۔

اتنے میں یزید پلید کی آنکھ کھلی ، لوگوں سے پوچھا
کہ یہ شور و غل کس کا ھے ؟ انھوں نے کہا کہ بی بی سکینہ
نے جناب امام حسین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ھے ،
رو رو کر اپنے تئیں ھلاک کیا ھے ۔

یہ بات سن کر اس ملعون دوں نے حضرت امام حسین
علیہ السلام کا سر مبارک ایک خوان میں کس کر بھجوا دیا ۔
بی بی سکینہ نے پوچھا کہ اس میں کیا ھے ؟ بی بیوں نے
کہا ''واری جائیں ! جو تو نے طلب کیا ھے ۔''

ھے ھے ! جوں حضرت سکینہ نے خوان پوش اٹھایا
اور اپنے پدر بزرگ وار کا سر خوں چکاں مشاھدہ کیا ، منہ
پر منہ رکھ کر یہاں تک روئیں کہ جاں بحق تسلیم ھوئیں ۔

ابو المؤید نے یوں لکھا ھے کہ صبح ھوتے ھی یزید
نے اھل بیت رسالت سے بہت سی معذرت کی اور اسباب سفر
درست کر کے یہ بات کہی کہ اس قدر زر نقد مال و جواھر
حاضر ھے ، اسے قبول کرو ، مدینۂ منورہ تشریف لے جاؤ ۔ میں
نعمان ابن بشیر کو بیس سوار سے ساتھ کر دیتا ھوں ، وہ
بہ خوبی تمام پہنچا دے گا ۔ یہ بات کہہ کر نعمان ابن بشیر کو

هم راہ کر دیا ۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگ وار کا سر مبارک اٹھا لیا اور ان سب شہیدوں کے سر ساتھ لے کر اھل بیت رسالت سمیت مدینۂ منورہ کی طرف عزم کیا ۔

ھے ھے ! شہر صفر کی بیسویں تاریخ کربلاے معلیٰ میں پہنچے۔ بی بیوں نے اپنے تئیں اونٹوں سے گرا دیا ، رو رو کر ایک حشر عظیم برپا کیا ۔

بعد اس کے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے جناب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک آن کے جسم مطہر سے ملا کر چالیسویں روز دفن کیا ، ان شہیدوں کو بھی اسی طرح اول منزل پہنچایا ۔ روتے اور آہ و فغاں کرتے ، ھوئے مدینۂ منورہ کی طرف رخ کیا ۔

لیکن اثناء راہ میں نعمان ابن بشیر نے بڑی خدمت کی ، کوئی بات ادب و آداب کی تا مقدور ھاتھ سے نہ دی ، یہاں تلک کہ جس جگہ اھل بیت رسالت کے خیمے کھڑے ھوتے یہ وھاں سے بہت دور جا پڑتا ، اس لیے کہ کسی نا محرم کی آنکھ اس خیمۂ ملک طواف پر نہ پڑے ۔

جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام مدینۂ منورہ کے قریب پہنچے، بی بی اُمّ کلثوم نے جناب زینب علیہا السلام سے عرض کی کہ اے دختر فاطمۂ زھرا و اے خواھر حسین شہید دشت کربلا ! نعمان ابن بشیر نے ھماری بڑی خدمت کی ؛ ھمارے پاس کچھ ایسی چیز نہیں کہ اس کو دیں ، راضی کریں ۔

یہ بات سن کر حضرت بی بی زینب علیہا السلام نے رو دیا اور ارشاد کیا کہ ہوا تم نے سچ فرمایا ، ہمارے پاس سوائے اس گہنے کے جو آن کافروں بد نہادوں کے ہاتھ سے بچ رہا ہے اور کوئی چیز نہیں - یہ بات کہہ کر وہ زیور جسم مطہر سے آتارا اور نعمان ابن بشیر کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ اے نعمان ابن بشیر ! یہ مال کچھ اتنا نہیں جو تیری خدمت کے لایق ہو ، اسے یہاں لے اور باقی عقبیٰ میں حضرت محمد مصطفیٰ کے رو بہ رو دیا جائے گا -

یہ بات سن کر نعمان ابن بشیر آپ میں نہ رہا اور اس گہنے کو دور سے سلام کر کے پھیر دیا اور جناب بی بی زینب کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اے نور دیدۂ محمد مصطفیٰ و اے سرور سینۂ علی مرتضیٰ ! اگرچہ یہ بندہ یزید پلید کے کہنے سے ہم راہ رکاب ہوا تھا ، پر یہ خدمت اس غلام نے خدائے کریم کی خوشنودی اور حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا جوئی پر نظر رکھ کر کی - الحمد للہ والمنۃ کہ یہ خدمت اس کم ترین کی قبول ہوئی ؛ یہ ایک دولت عظمیٰ میرے ہاتھ لگی -

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ جس وقت اہل بیت رسالت کے آنے سے اہل مدینہ آگاہ ہوئے ، سر و پا برہنہ اپنے اپنے گھروں سے نکلے - تمام اولاد مہاجر و انصار بھی آہ و فغاں کرتے ہوئے آگے بڑھے - بلکہ ساری بی بیاں ، پردۂ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیاں ، اپنے بال بچوں کو ساتھ لیے ہوئے گریۂ و زاری کرتی ہوئیں اہل بیت رسالت کے استقبال کی خاطر باہر نکلیں -

جوں حضرت امام زین العابدین کو جناب امام حسین علیه السلام کی بہنوں ، بھاوجوں ، بیٹیوں کے ساتھ با حال تباہ دیکھا ، سر پیٹ پیٹ رونے لگیں اور پچھاڑیں کھا کھا ہلاکـــ ہونے ، اور ان بی بیوں نے بھی ان کو اپنے گلے لگا کر یہ رقت کی کہ جس کی بات کچھ کہی نہیں جاتی -

غرض بیان غم اہل بیت سہل نہیں
یہ وہ الم ہے کہ پایاں نہیں ہے جس کے تئیں

تمام شد